جون ۱۹۹۰ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

نقضِ غزل: کا ردِّ عمل

محبین، ناصحین اور ناقدین کے تأثرات اور
امیر تنظیم اسلامی کی جوابی گزارشات

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی

تنظیم اسلامی کی تاسیس اول کے موقع پر اکتوبر ۱۹۶۷ء کے "میثاق" کی پشت پر شائع شدہ

مولانا امین احسن اصلاحی کی تقریر کے ایک اقتباس کا عکس!

Monthly "MEESAAQ" Lahore

Vol. 14	SEPTEMBER-OCTOBER 1967	No. 3-4

عزیز ساتھیو!

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آپ نے ایک جماعتی نظم کے قیام کی قرارداد پر اتفاق کر لیا۔ میں اس پر آپ کو مبارک باد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کام کے لئے عزم و ہمت عطا فرمائے اور ہر قدم پر ہماری دست گیری اور رہنمائی فرمائے۔

میں اس موقع پر آپ کے سامنے یہ اعتراف کرتا ہوں کہ ہر چند اس کی ضرورت اور اہمیت مجھ پر واضح تھی لیکن میں دو سبب سے اس قسم کی کسی ذمہ داری سے گریز کرتا رہا۔ ایک تو یہ کہ اب میرے قویٰ ضعیف ہو رہے ہیں، کوئی بھاری بوجھ اٹھانا میرے لئے ممکن نہیں رہا۔ دوسرا یہ کہ زندگی کے آخری دور کے لئے اپنے ذوق کے مناسب جو کام میں نے تجویز کر لیا تھا اب وقت و فرصت کا لمحہ لمحہ اسی پر صرف کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ دوستوں کے شدید اصرار بلکہ دباؤ کے باوجود میں خود اس کے لئے پہل کرنے کی ہمت نہیں کر سکا۔ دوستوں نے جب کبھی اس فریضہ کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی میں ان کے دلائل کا تو انکار نہ کر سکا لیکن اپنی کمزوریوں اور مجبوریوں پر نگاہ کرکے ان کی بات کو ٹالتا ہی رہا۔ میں یہ بھی محسوس کرتا رہا کہ اگرچہ میرے اوقات تمام تر دینی و علمی کاموں ہی میں بسر ہو رہے ہیں تاہم معاشرے سے متعلق مجھ پر جو فریضہ عاید ہوتا ہے اس میں مجھ سے کوتاہی ہو رہی ہے جس کے سبب سے نہ صرف میری بعض صلاحیتیں سکڑ رہی ہیں بلکہ اندیشہ اس بات کا ہے کہ اس پر مجھ سے مواخذہ ہو۔ ان تمام احساسات کے باوجود میں اپنے آپ کو معذور سمجھتا رہا جس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو معذور سمجھنے میں بڑا فیاض ہوتا ہے۔

بہرحال اب میں پورے شرح صدر کے ساتھ اس کام میں شریک ہوتا ہوں اور ان تمام دوستوں کا دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے اس عظیم فرض کی اہمیت کو سمجھا اور ہم سب کو اس کے سمجھانے کا اہتمام کیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی طرف سے ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

امین احسن اصلاحی

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد: ۳۹

شمارہ: ۶

ذوالقعدہ ۱۴۱۰ھ

جون ۱۹۹۰ء

فی شمارہ ۵/-

سالانہ زرتعاون ۵۰/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

SUBSCRIPTION RATES OVERSEAS

U S A US $ 12/=
c/o Dr Khursid A. Malik
SSQ 810 73rd street
Downers Grove I L 60516
Tel : 312 969 6755

c/o Mr. Rashid A. Lodhi
SSQ 14461 Maisano Drive
Sterling Hgts MI 48077
Tel : 313 977 8081

CANADA US $ 12/=
c/o Mr. Anwar H. Qureshi
SSQ 323 Rushoime Rd # 1809
Toronto Ont M6H 2 Z 2
Tel : 416 531 2902

UK & EUROPE US $ 9/=
c/o Mr. Zahur ul Hasan
18 Garfield Rd Enfield
Middlessex EN 34 RP
Tel : 01 805 8732

MID-EAST DR 25/=
c/o Mr. M. Ashraf Faruq
JKQ P.O. Box 27628
Abdu Dhabi
Tel : 479 192

INDIA US $ 6/=
c/o Mr. Hyder M. D. Ghauri
AKQI 4-1-444, 2nd Floor
Bank St Hyderabad 500 001
Tel : 42127

K S A SR 25/=
c/o Mr. M. Rashid Umar
P O. Box 251
Riyedh 11411
Tel : 476 8177

JEDDAH (only) SR 25/=
IFTIKHAR-UD-DIN
Manarah Market,
Hayy-ul-Aziziyah,
JEDDAH.
TEL: 6702180

D.D./Ch. To, Maktaba Markazi Anjuman Khudam ul Quran Lahore.
U B L Model Town Ferozpur Rd Lahore.

ادارۂ تحریر

●

شیخ جمیل الرحمٰن

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ - فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱- داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی- فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشر: لطف الرحمٰن خان طابع: رشید احمد چودھری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

تذکرہ وتبصرہ ——— ۳
'نقضِ غزل' کا ردِ عمل
ڈاکٹر اسرار احمد

الہدیٰ (قسط ۶۵) ——— ۴۱
'شہادت علی الناس' سورۃ الحج کے آخری رکوع کی روشنی میں' (۲)
ڈاکٹر اسرار احمد

'انسدادِ منکرات' کی مہم میں اُسوۂ رسولؐ کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے! ——— ۵۳
جماعتِ اسلامی کے زیرِ اہتمام سیمینار سے امیر تنظیم اسلامی کا خطاب

ضمیمہ 'نقضِ غزل' ——— ۶۵
أ) مؤلفِ کتاب کا استعفاء از رکنیتِ جماعت
أأ) امیر تنظیم اسلامی کا خط بنام میاں طفیل محمد (سابق) امیر جماعت اسلامی
اور میاں صاحب کا جوابی مکتوب

اعلان داخلہ' قرآن کالج لاہور

برائے ایف اے کلاسز

داخلہ فارم جمع کرانے کی آخری تاریخ ۱۶ جون ۹۰ء طے کی گئی ہے۔
داخلے کے خواہشمند طلبہ دس روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر بذریعہ ڈاک یا براہِ راست
درج ذیل پتے سے پراسپکٹس اور داخلہ فارم حاصل کر سکتے ہیں۔

قرآن کالج، ۱۹۱-اے، اتاترک بلاک نیو گارڈن ٹاؤن - لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تذکرہ وتبصرہ

ڈاکٹر اسرار احمد

'نقضِ غزل' کا ردِّ عمل

سالِ رواں کے جنوری اور مارچ کے شماروں میں 'نقضِ غزل' کی اشاعت پر حسبِ توقع شدید مخالفانہ، مخلصانہ و ناصحانہ، اور تائیدی و وضاحتی، ہر نوع کا ردِّ عمل موصول ہوا۔ آج کی صحبت میں اسی کے بارے میں کچھ عرض کرنا پیشِ نظر ہے۔

قارئینِ 'میثاق' کو یاد ہوگا کہ 'نقضِ غزل' کی اشاعت کا زوردار داعیہ جنوری ۸۹ء میں جدّہ میں بعض احباب سے گفتگو کے نتیجے میں پیدا ہوا تھا۔ جدّہ کے ڈاکٹر فرحت علی برنی اور طائف کے ڈاکٹر شجاعت علی برنی سے ہونے والی اُس گفتگو کا مفصّل تذکرہ اوّلاً 'میثاق' فروری ۸۹ء میں ہوا تھا (صفحات ۹۲ تا ۹۵) - اور پھر اس کا حوالہ جنوری ۹۰ء کی اشاعت میں بھی دیا جا چکا ہے - (صفحات ۱۱، ۱۲) - اس گفتگو میں راقم الحروف کے سامنے اچانک یہ حقیقت بڑی شدّت کے ساتھ آئی تھی کہ جہاں تک جماعتِ اسلامی پاکستان کے موجودہ طریق کار سے میرے اور تنظیمِ اسلامی کے اختلاف کا تعلق ہے وہ تو میری تالیف " تحریک جماعتِ اسلامی : ایک تحقیقی مطالعہ " کے ذریعے پوری وضاحت کے ساتھ لوگوں کے سامنے آ چکا ہے ... لیکن جہاں تک جماعت سے علیحدگی کا تعلّق ہے اس کے اصل سبب کے بارے میں عوام تو درکنار قریبی مخلصین اور احباب بھی بالکل اندھیرے میں ہیں اور اس کے لئے لازم ہے کہ 'نقضِ غزل' کو مکمل کر کے شائع کر دیا جائے -

---

بالکل اسی نوع کا شدید احساس اِن سطور کی تحریر سے ٹھیک ایک ماہ قبل رمضانِ مبارک کی ایک شام کو ہوا - جب بعدِ افطار دعوتِ طعام میں جماعتِ اسلامی لاہور کے بعض نمایاں ارکان سے بشمول سید اسعد گیلانی صاحب ملاقات اور گفتگو کا موقع ملا - اس موقع پر

محترم گیلانی صاحب نے بڑے گہرے تأثر کے ساتھ فرمایا کہ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جماعت اسلامی اور تنظیم اسلامی میں سوائے ایک ملکی انتخابات میں حصّہ لینے یا نہ لینے کے اور کیا فرق ہے!" جس پر میں نے عرض کیا کہ "یہ فرق معمولی نہیں بہت بڑا ہے!" (بلکہ اس موقع پر میری زبان سے کچھ نامناسب الفاظ بھی نکل گئے تھے جن پر گہرا تأسّف تو مجھے اُسی وقت لاحق ہو گیا تھا لیکن فی الفور معذرت کرنے سے اندیشہ تھا کہ کہیں "عُذرِ گناہ بدتر از گناہ" والا معاملہ نہ بن جائے' لہٰذا میں نے سکوت ہی کو مناسب سمجھا- بعد میں بھی کئی بار خیال آیا کہ فون پر معذرت کر لوں لیکن اس میں بھی یہ احتمال نظر آیا کہ اس طرح "جبر بالسُّوء" کے بارِ دگر اعادہ کی صورت نہ بن جائے... بہرصورت اب میں بغیر ان نامناسب الفاظ کو نقل کئے گیلانی صاحب سے علی رؤوس الاشہاد معذرت کرتا ہوں ع "گر قبول افتد زہے عزّ و شرف!)... اس پر گیلانی صاحب نے فرمایا کہ "انتخابات کا مسئلہ خواہ اپنی جگہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو آخر ہے تو صرف تدبیر ہی کا معاملہ!"..... جس پر میں نے عرض کیا کہ: "آپ کی بات بالکل درست ہے' اور میں ہرگز اس اختلاف کی بنا پر جماعت سے علیحدہ نہ ہوتا بشرطیکہ جماعت میں اختلافِ رائے اور اس کے اظہار کے لئے راستے کھلے رکھے جاتے!" گیلانی صاحب نے جواباً ارشاد فرمایا کہ "جماعت میں اختلافِ رائے کی آزادی تو موجود ہے!" تب میں نے عرض کیا کہ "مجھے اس بات کا جواب دیں کہ آیا ماچھی گوٹھ میں یہ طے ہوا تھا یا نہیں کہ جماعت اسلامی کی طے شدہ پالیسی سے اختلاف رکھنے والے لوگ جماعت میں رہ تو سکتے ہیں لیکن (i) نہ بذریعہ تحریر اپنی رائے کا اظہار کر سکتے ہیں (ii) نہ نجی گفتگوؤں میں اپنی رائے پیش کر سکتے ہیں (iii) نہ ہی مقامی' حلقہ جاتی اجتماعاتِ ارکان میں اظہار خیال کر سکتے ہیں..... بلکہ صرف اور صرف کُل پاکستان اجتماعِ ارکان ہی میں گفتگو کر سکتے ہیں! اب آپ مجھے یہ بتائیے کہ اوّلاً ایسا اجتماع کئی کئی سال بعد منعقد ہوتا ہے' پھر اس میں کئی ہزار افراد شریک ہوتے ہیں اور ارکان کے خصوصی اجتماع کے لئے بہت مختصر وقت ہی رکھا جا سکتا ہے- چنانچہ حالیہ کُل پاکستان اجتماع میں آپ نے صرف ایک مختصر نشست ارکان کے لئے مخصوص رکھی تھی..... تو اس صورت میں اختلافِ رائے کا اظہار کیسے ممکن ہے؟" اس پر محترم گیلانی صاحب نے تو سکوت اختیار فرمایا لیکن حاضرین میں سے ایک سینئر رکنِ جماعت نے مجھ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "صَدَقْتَ!"..... میں نے محترم گیلانی

صاحب سے یہ بھی دریافت کیا کہ: "آپ ہی کے اُس انٹرویو سے جو ہفت روزہ 'ندا' میں شائع ہوا ہے، مجھے یہ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر محمد امین صاحب کو جماعت سے نکالا گیا ہے، تو کیا آپ یہ بتانا پسند فرمائیں گے کہ ان کا 'جُرم' کیا تھا؟"..... اس پر جب انہوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ اُن کا قصور صرف یہ تھا کہ انہوں نے جماعت کی پالیسی کے بارے میں ایک سوال نامہ مرتّب کر کے بعض ارکانِ جماعت کو ارسال کیا تھا تو میں نے عرض کیا کہ پھر بتایئے کہ جماعت میں اختلافی رائے کے پنپنے کا کونسا موقع ہے؟ اس پر جو خاموشی جملہ حاضرین پر طاری ہوئی اُس سے اُن کی شرافت اور متانت کا تو گہرا تأثر قلب نے قبول کیا لیکن اس ملاقات اور گفتگو سے راقم الحروف کو مزید انشراح حاصل ہوا کہ 'نقضِ غزل' کی اشاعت نہایت ضروری اور لازمی تھی۔

میرے لئے 'نقضِ غزل' کی اشاعت کے ضمن میں سب سے زیادہ اطمینان بخش بات یہ سامنے آئی کہ میرے بعض نہایت قریبی اور دیرینہ رفقاءِ کار نے صراحتہً تسلیم کیا کہ "آپ کے جماعت اسلامی سے پالیسی کے اختلاف کے بارے میں تو ہمارا ذہن بھی بالکل واضح تھا، اور ہمیں اس پر پورا شرحِ صدر بھی حاصل تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے کے فیصلہ پر خود ہمیں پورا انشراح حاصل نہ تھا، اور اس معاملے میں قلب و ذہن میں ایک دبی اور چھپی ہوئی سی خَلِش موجود تھی جو کبھی دُور نہ ہو سکتی اگر 'نقضِ غزل' کی تکمیل اور یکجا اشاعت نہ ہوتی!"۔

مزید برآں، ذاتی طور پر میرے لئے اس سے کہیں بڑھ کر اطمینان بخش امر یہ ہے کہ "کُلُّ اَمرٍ مُّستَقِر" (القمر: ۳) کے مطابق اس کی اشاعت کی صورت مِن جانبِ اللہ پیدا ہوئی، یعنی یہ کہ تحریک اسلامی کی قیادت و امارت کے فلسفے کے موضوع پر مولانا مودودی مرحوم کی وہ تقریر جس کو میں ع "جسے میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں!" کے مصداق سالہا سال سے تلاش کرتا رہا تھا وہ اچانک از خود ہفت روزہ 'آئین' کے صفحات پر جلوہ گر ہو گئی جس سے جماعت اسلامی پاکستان کی تاریخ کے ۵۷ - ۵۶ء والے گمشدہ باب کے ضمن میں بعض سوالات جو خود راقم کے ذہن کے سامنے حل طلب موجود تھے ایک دم حل ہو گئے۔ اور اس طرح راقم 'نقضِ غزل' کی تکمیل پورے اطمینانِ قلب اور انشراحِ صدر کے ساتھ

کر سکا..... اور بحمد اللہ راقم کو پورا اطمینان ہے کہ اگرچہ فی الوقت اس کی اشاعت بعض حضرات کو ناگوار گزری ہے لیکن ان شاء اللہ تحریکِ اقامتِ دین اور اعلاءِ کلمتہ اللہ کی سعی و جہد کے وسیع تر تقاضوں اور مصلحتوں کے اعتبار سے اس کا منظرِ عام پر آنا نہایت مفید ثابت ہوگا - واللہ اعلم!!

اور اب آیئے "ردِّ عمل" کے جائزہ کی جانب!

۱- اس سلسلے میں شدید ترین ردِّ عمل اُن حضرات کا ہے جنہوں نے اپنی ناراضگی کے اظہار کے طور پر "میثاق" کی خریداری منقطع کر دی ہے - اگرچہ ایسے حضرات کی تعداد میری توقع سے بہت کم رہی تاہم ان کے جذبات کی نمائندگی ایبٹ آباد کے قاضی عبد القدوس صاحب کے درج ذیل خط سے ہو جاتی ہے :

محترم ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ - گزشتہ دو تین ماہ سے "میثاق" میں ان واقعات کا تجزیہ کیا جا رہا ہے جسے آپ "نقضِ غزل" کے عنوان کے تحت با التزام شائع فرما رہے ہیں - عام قاری کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ آپ "جماعت اسلامی" کے رکن کیوں بنے - اور کن حالات اور وجوہات کی بناء پر آپ نے اس جماعت سے علیحدگی اختیار کی -

میرا مقصدِ حیات تو "خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا کَدَر" ہے اچھی بات جہاں سے ملے اسے اپنایا جائے اور مکروہات سے اجتناب کیا جائے -

ٹیلی وژن پر آپ کے دروسِ قرآن سن کر آپ کا ہمنوا بنا لیکن "میثاق" کے "نقضِ غزل" نے آپ کی حق گوئی کو واضح کر دیا - مولانا مرحوم سید ابو الاعلیٰ مودودی نے اسلام کے لئے جو کچھ کیا اس کا جواب وہ خود اپنے خالقِ حقیقی کے سامنے پیش ہو کر دیں گے - رحلت کے بعد ان کے افعال پر تنقید کسی طرح بھی جائز نہیں - کیا یہ کم ہے کہ وہ قرآن سیکھنے والوں کے لئے "تفہیم القرآن" کی صورت میں ایک اعلیٰ پایہ کی تفسیر اپنے پیچھے چھوڑ گئے ہیں - قرآن ہمیں "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللہِ جَمِیْعًا" کی تلقین کرتا ہے اور امارت کے شوق میں علیحدہ

جماعت بنانے سے منع کرتا ہے - لیکن آپ نے "وَلَا تَفَرَّقُوْا" سے بچنے کے لئے "نقضِ غزل" کے پردہ کے پیچھے پناہ لینے کی کوشش کی ہے -

اس لئے میں بامرِ مجبوری درخواست کرتا ہوں کہ آئندہ مجھے "میثاق" کی خریداری سے معذور جان کر رسالہ ارسال نہ کیا جائے -

ایک بار پھر اس اقدام کے لئے معذرت خواہ ہوں - فقط والسلام

عبد القدوس

خریداری نمبر M-C-PK-FP-ATD-0014

قاضی صاحب موصوف اور ان کے ہم خیال حضرات سے ہمیں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ان کی رائے صائب اور فیصلہ مناسب ہے اس لئے کہ فی الواقع 'میثاق' صرف علمی و اصلاحی یا محض دعوتی و تبلیغی جریدہ نہیں ہے - بلکہ ایک انقلابی تحریک کا ترجمان ہے اور اس تحریک کے مُقتضیات اس کے لیے ہمیشہ مقدم رہتے ہیں - بنابریں ایسے حضرات کا 'میثاق' سے قطع تعلق کر لینا بالکل درست ہے جو اس تحریک سے کوئی دلچسپی یا ذہنی و قلبی مناسبت نہ رکھتے ہوں -

---

۲- دوسرا کسی قدر نرم اور اصلاً ناصحانہ اور مخلصانہ ردِ عمل جدّہ، سعودی عرب سے جناب غلام فرید خاں صاحب کی جانب سے موصول ہوا ہے - موصوف اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص (بی کام، سی پی آئی اور ایف سی آئی آئی لندن) ہیں - اور انہی کے مانند خیالات و احساسات بعض دوسرے حضرات کی جانب سے بھی ظاہر ہوئے ہیں لہٰذا ان کا خط بھی مِن و عن شائع کیا جا رہا ہے - خان صاحب موصوف رقم طراز ہیں :

محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

السلام علیکم - میرا تعلق ایک دیندار خاندان سے ہے اور خود بھی دینِ اسلام کی تعلیمات کی کسی حد تک معلومات رکھتا ہوں اور مزید علم و عمل کی کوشش کرتا رہتا ہوں - ماحول بھی بفضلہٖ تعالیٰ تعلیم یافتہ اور اسلام کے دلدادہ افراد کا ہی رہا لہٰذا جب آپ کی دعوت کی گونج کان میں پڑی تو اُدھر بھی متوجہ ہوا - دیگر دینی رسائل کا مطالعہ رہتا ہی تھا آپ کا میثاق اور حکمت قرآن بھی سالانہ

بنیاد پر لگوا لئے - جن کا مطالعہ بھی کرتا ہوں ابھی میثاق جنوری ۱۹۹۰ء کے مطالعہ سے فارغ ہوا ہوں اور در حقیقت یہ خط بھی جنوری کا میثاق پڑھنے کے بعد مجبوراً آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں -

ڈاکٹر صاحب اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے آپ کو بڑی خوبیوں سے نوازا ہے - فنِ خطابت میں فی الوقت آپ کا ثانی کوئی نہیں پھر اس خداداد صلاحیت کے ساتھ ساتھ آپ کو بہترین استاد بھی میسّر آئے خود بقول آپ کے مولانا مودودی مرحوم جیسے مفسّرِ قرآن کا قرب آپ کو زمانۂ طالب علمی میں ہی مل گیا تھا جس نے آپ کی صلاحیتوں کو بے مثال جِلا بخشی اور آپ کو کان سے نکال کر چمکدار ہیرا بنا دیا -

یقیناً مولانا مودودی مرحوم کے کئی دوسرے شاگردوں نے بھی اپنی اپنی جگہ بڑا نام پیدا کیا انہوں نے بھی جنہوں نے بالکل دنیا ہی کو اپنے مستقبل کے لئے پسند کر لیا اور انہوں نے بھی جنہوں نے آخرت کو ترجیح دی - اول الذکر میں ..... صاحب اور ..... صاحب کی مثال ہے اور آخر الذکر میں امین احسن اصلاحی اور عبد الغفار حسن صاحب جو اپنے اپنے طریقہ سے دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں - مولانا مودودی مرحوم کو جو مقام اور مرتبہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بخشا وہ اظہر من الشمس ہے کہ ان کو عالمِ اسلام کا سب سے بڑا اور سب سے پہلا ایوارڈ یعنی فیصل ایوارڈ ملا - نہ صرف انہیں بلکہ ان کے شاگرد ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی صاحب اور ابھی حال ہی میں پروفیسر ڈاکٹر خورشید احمد صاحب کو بھی فیصل ایوارڈ سے نوازا گیا - چند ماہ پیشتر اسلامی ڈویلپمنٹ بینک نے اپنے پندرہ سال مکمل ہونے پر معاشیات کے میدان میں ۴۲ ممبر ممالک میں جس شخص کا انتخاب کیا وہ بھی پروفیسر خورشید احمد صاحب ہی تھے -

مذکورہ بالا انتہائی اہم شخصیات نے کسی نہ کسی درجہ میں مولانا مودودی مرحوم سے اکتسابِ علم کیا یا ان کی صحبت میں رہے - ان میں کئی نے اصولی اختلاف کی بنا پر اپنی راہیں بھی جدا کر لیں اور اپنے اختلاف کا برملا اظہار بھی کیا لیکن اس کے بعد یہ حضرات اپنے اپنے کام میں لگ گئے - امین احسن اصلاحی صاحب نے تصنیف و تالیف کی طرف توجّہ دی اور 'تدبّر القرآن' جیسی تفسیر اور

'تزکیۂ نفس' جیسی اعلیٰ درجہ کی کتب لکھیں جو رہتی دنیا تک امت کو فائدہ پہنچاتی رہیں گی - ..... صاحب نے اپنے لئے نئی راہ کا انتخاب کیا اور اس پر رواں دواں ہیں - خوب دنیا کمائی - اس طرح ..... صاحب بھی شروع شروع میں مولانا مودودی پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کر کے اپنی منزل کی طرف چل پڑے -

بفضلہٖ تعالیٰ آپ نے بھی اپنے لئے خیر کا راستہ اختیار کیا لیکن یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ اس کارِ خیر کے پیچھے کچھ مقابلہ بازی کا جذبہ کار فرما نظر آتا ہے - خیال یہ تھا کہ پختگیٔ عمر اور کثرتِ مطالعہ کے ساتھ ساتھ طبیعت میں نرمی اور ٹھہراؤ آتا جائے گا لیکن افسوس کہ آپ کے بہی خواہوں کی توقع پوری ہوتی نظر نہیں آتی بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عمر کی پختگی کے ساتھ ساتھ یہ جذبہ بھی مزید پختہ ہو رہا ہے - قابل احترام جناب ڈاکٹر صاحب آپ کو شاید خود اندازہ نہ ہو (عام طور پر آدمی اپنی کمزوری سے واقف نہیں ہوتا) کہ آپ مولانا مودودی مرحوم و مغفور کی مخالفت اور اس کے نتیجہ میں جماعت اسلامی کی مخالفت میں اخلاق کی کن کن حدود کو پھلانگ چکے ہیں - آپ نے مولانا مودودی مرحوم پر علمی سرقہ تک کا الزام بار بار لگایا ہے جبکہ آپ خود جو کچھ بھی فرماتے ہیں وہ 'تفہیم القرآن' یا 'تدبر القرآن' میں کم از کم ۹۰ فی صد ضرور ہی مل جاتا ہے - البتہ لفظ "میں" کی تکرار اور فنِ خطابت آپ کا اپنا ہوتا ہے - دریں حالات میں سمجھتا ہوں کہ میثاق میں سوائے اس کے کہ آپ کے جذبۂ مخالفت کی تسکین ہو ایک اتحادِ ملی کے حامی، صلح پسند اور اکابرینِ ملت کی عزت کرنے والے شخص کے لئے کچھ زیادہ نہیں - میرے خیال میں یہ بہتر ہوگا کہ اس قسم کا خاص شمارہ کم از کم مجھے تو نہ بھیجا جائے تاکہ ذہنی اذیت سے محفوظ رہوں البتہ آپ کے لئے میں ہمیشہ دعائے خیر کرتا رہوں گا - جو اکابرین ملت فوت ہو چکے ہیں وہ اپنے مالک و آقا کے پاس پہنچ چکے ہیں - اور اللہ ہی ان کے بارے میں بہتر جانتا ہے - ہم بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں - والسلام علیکم و رحمت اللہ و برکاتہ

نیاز مند غلام فرید خان

JED - 063

ہمیں غلام فرید خاں صاحب کے ایک ایک لفظ سے اُن کے خلوص اور اخلاص اور نُصح و خیر خواہی کا جذبہ جھلکتا محسوس ہوا ہے' اور اگر ایک آدھ جگہ تلخی کا اظہار ہوا ہے تو اُس سے بھی کسی عِناد یا بُغض کی بُو نہیں آئی..... مزید بر آں جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے' خان صاحب موصوف کا یہ خط بھی بہت سے حضرات کے جذبات اور احساسات کی نمائندگی کرتا ہے - بنابریں افادۂ عام کے لئے بعض وضاحتیں ضروری ہیں - امید ہے کہ خان صاحب موصوف اور ان کے طرز پر سوچنے والے حضرات ان گزارشات پر اپنے آپ کو ہماری جگہ متصوّر کرتے ہوئے ہمدردانہ انداز میں غور فرمائیں گے -

راقم الحروف نے حال ہی میں ایک معروف صاحبِ علم و قلم سے گفتگو کے دوران اپنے بارے میں یہ اعتراف کیا کہ میرا ذہن اُس "تصوّرِ فرائضِ دینی" پر متحجّر (Fossilised) ہو گیا ہے جو مجھے ابتداءً تحریک اسلامی کے اساسی لٹریچر یعنی مولانا مودودی مرحوم اور مولانا اصلاحی صاحب کی تصانیف کے ذریعے حاصل ہوا' اور بعد ازاں اس کی پوری اور نہایت تاکیدی توثیق کتابِ الٰہی اور سنّت و سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعے کے ذریعے حاصل ہو گئی - بنابریں میری مجبوری یہ ہے کہ میں دین کی کسی جُزوی خدمت اور محض علمی و تعلیمی یا صرف تبلیغی و اصلاحی کام پر مطمئن نہیں ہو سکتا -

میں اپنے اس فکر کے ہاتھوں اس درجہ مجبور ہوں کہ جن اکابر کا ذکر آپ بطور "اسوۂ حسنہ" کر رہے ہیں' ان کی شخصی قدر و منزلت' اور ان کی علمی یا تدریسی خدمات کے اعتراف کے باوجود میں نہ صرف یہ کہ ان کی پوزیشن کو کسی درجہ میں بھی قابلِ رشک نہیں سمجھتا' بلکہ واقعہ یہ ہے کہ میرے نزدیک اُن کے طرزِ عمل کو غیر منطقی اور ناقابلِ فہم ہی نہیں فراریت اور شکست خوردگی کا مظہر قرار دینا بھی غلط نہ ہوگا -

یہ حضرات جماعت اسلامی میں شامل نہ ہوئے ہوتے تو بات اور تھی' اس صورت میں وہ جو کام پہلے سے کر رہے تھے انہیں ہی جاری رکھتے تو کسی اعتراض کی گنجائش نہ ہوتی لیکن صورتِ واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے نصف صدی سال ایک تحریک کے ساتھ نمایاں طور پر وابستگی کی صورت میں بسر کئے' سینکڑوں بلکہ ہزاروں لوگوں کو اُس تحریک کی دعوت سے متعارف کرایا چنانچہ بہت سے لوگ اُنہی کے زیر اثر اور انہی کی وساطت سے جماعت

میں شامل ہوئے - اس کے بعد اگر انہوں نے کسی سبب سے جماعت سے علیحدگی اختیار کی تھی تو اُن کے لئے عقلی اور منطقی طور پر مندرجہ ذیل دو راستوں میں سے کوئی ایک راستہ اختیار کرنا لازمی تھا:

۱- اگر اُن کے خیال میں اس تحریک کی اساسی دعوت و نصب العین ہی میں ع "مری تعمیر میں مضمر تھی اک صورت خرابی کی!" کے مصداق کجی تھی، گویا اُس کا بنیادی فکر ہی غلط تھا تو انہیں صاف اعتراف کرنا چاہئے تھا کہ سترہ سال قبل جب انہوں نے مولانا مودودی مرحوم کی رفاقت اختیار کی تھی تو خود انہوں نے شدید علمی اور فکری ٹھوکر کھائی تھی اور وہ محض ایک شخص کی انشاپردازی سے اس درجہ مرعوب ہو گئے تھے کہ فکری اعتبار سے زہرِ ہلاہل کو قند سمجھ کر نوشِ جان کر بیٹھے..... اس اعتراف کے ساتھ لازم تھا کہ وہ جماعت کے اساسی فکر کی زہرناکی کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اس متبادل فکر کو بھی پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیتے جس پر اب انہیں انشراحِ صدر حاصل ہوا ہے۔ اور پھر اُس کے مطابق عملی جدّوجہد میں بالفعل مصروف ہو جاتے -

۲- اور اگر اُن کے نزدیک جماعت کا تحریکی فکر بھی بحیثیت مجموعی صحیح تھا اور اس کا ہدف بھی اصلاً درست تھا، تو ان کے لئے لازم تھا کہ معیّن طور پر یہ بتاتے کہ آیا جماعت کے طریق کار میں کوئی کجی آ گئی ہے، یا اس کے فلسفۂ تنظیم میں گمراہی کے جراثیم پیدا ہو گئے ہیں جن کے باعث اُن کی جماعت سے علیحدگی نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہو گئی ہے..... اس صورت میں بھی لازم تھا کہ وہ اپنے اس اختلاف کو معیّن طور پر بیان کرنے کے بعد اسی سابق نصب العین اور اساسی فکر کے مطابق صحیح طریق کار اور صحت مند اصولِ تنظیم اختیار کر کے اجتماعی جدّوجہد کو جاری رکھتے!

اِن دونوں میں سے کوئی بھی صورت اختیار نہ کر سکنے کے باعث جو نقصان اِن حضرات کو ذاتی طور پر پہنچا، اس صورت میں بھی کہ اُن کی حیثیتِ عرفی کو دھکّا لگا، اور اس اعتبار سے بھی کہ اُن کی خداداد صلاحیتیں اور توانائیاں سکڑ کر رہ گئیں (یہ الفاظ خود مولانا امین احسن اصلاحی کے ہیں جو انہوں نے جماعت سے علیحدگی کے دس سال بعد ۱۹۶۷ء میں اجتماعِ رحیم یار خاں میں ایک نئی اسلامی تنظیم کے قیام کے فیصلے کے موقع پر کہے تھے... (جس کا تفصیلی اقتباس اسی اشاعت میں کسی دوسری جگہ دیا جا رہا ہے -) اُس پر مستزاد اور زیادہ تکلیف دہ

بات یہ ہے کہ اُن کا وہ موقف بھی کمزور اور ناقابلِ اعتبار ہوگیا جو اپنی جگہ نہایت قوی اور مدلّل تھا۔ اس لئے کہ جماعت اسلامی کے عام ارکان اور کارکنان کا یہ الزام ان پر درست طور پر چسپاں ہوگیا کہ اگر یہ لوگ مخلص تھے اور ان کا موقف درست تھا تو انہوں نے جماعت سے علیحدہ ہو کر اس کے مطابق اجتماعی جدّوجہد کیوں نہ کی؟

قصّہ مختصر یہ کہ راقم الحروف اوّلاً...... اپنے فکر کے "متحجّر" ہو جانے کے ہاتھوں 'مجبور' ہے' ثانیاً...... ع "میں ہوں اپنی شکست کی آواز!" کی صورت اختیار کر کے زندہ رہنے کے 'حوصلے' سے محروم ہونے کے باعث 'معذور' ہے بنابریں اُس کے لئے اس کے سوا کوئی راستہ نہ تھا کہ وہ حسبِ سابق اقامتِ دین کی اجتماعی جدّوجہد کے لئے اپنا تن من دھن لگائے رکھے!...... اور چونکہ اُس نے نہ صرف یہ کہ عبادتِ ربّ کے تقاضوں کی تکمیل کے ساتھ ساتھ شہادتِ حق اور اقامتِ دین کے لئے اجتماعی جدّوجہد کی فرضیّت اور لزوم کا سبق ابتدائے تحریک جماعتِ اسلامی ہی سے سیکھا تھا بلکہ عمرِ عزیز کے دس سال بھی اس کے ساتھ بھرپور عملی وابستگی کی صورت میں گزارے تھے...... لہٰذا اس کے لئے لازم تھا کہ معیّن طور پر واضح کرے کہ : (۱) اس کے نزدیک جماعت کے اساسی فکر میں کوئی کمی یا خامی تھی یا نہیں اور تھی تو کیا؟ (۲) جماعت کے طریق کار میں کوئی غلطی دَر آئی ہے تو کونسی؟. اور (۳) اس کے طریقِ تنظیم میں کوئی قابلِ اصلاح پہلو ہے یا نہیں اور ہے تو کونسا؟...... چنانچہ میں یہ کام مجبوراً اور تحریک کے منطقی تقاضوں کے شدید دباؤ کے تحت کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب والشّہادۃ ہے ہی' مجھے قریب سے جاننے والا ہر شخص جانتا ہے کہ یہ نہ میرا کوئی پسندیدہ مشغلہ ہے' نہ وقت گزاری کا بہانہ' بلکہ میرے عین مقصدِ حیات کا تقاضا ہے جسے میں ادا نہ کروں تو گویا اپنی معنوی موت کے وارنٹ پر خود دستخط ثبت کر دوں گا۔ اس لئے کہ میرے پاس ے "ماہم بہ لاغ ولا بہ تسلّا شویم کاش۔ ناداں ز بزمِ دوست چہ خوشنود می رود!" کے مصداق اپنے ضمیر کو تھپکیاں دے دے کر سلا دینے کا کوئی بہانہ موجود نہیں ہے!!

کاش کہ میرے ناصح اور خیر خواہ حضرات ع "وز درونِ من نہ جُست اسرارِ من!" پر عمل پیرا ہونے کے بجائے میرے معاملے پر ہمدردانہ غور کر سکیں!

محترم غلام فرید خاں صاحب کے خط میں ایک بات البتّہ مغالطہ آمیز ہے جس کی

وضاحت ضروری ہے - اور وہ یہ کہ میں نے کبھی مولانا مودودی مرحوم پر علمی سرقہ کا الزام عائد نہیں کیا - ویسے بھی علم اور حکمت کسی کی میراث نہیں ہیں - اور اس میدان میں سب جانتے ہیں کہ چراغ سے چراغ روشن ہوتا چلا آیا ہے..... مولانا مرحوم کے بارے میں میرا یہ احساس ضرور رہا ہے اور اسے میں نے بعض مواقع پر بیان بھی کیا ہے کہ انہوں نے اپنے اساسی فکر کے ضمن میں جن اکابر سے کسبِ فیض کیا اُن کے ذِکر اور شکر کا حق ادا نہیں کیا..... رہا خود میرے اپنے فکر میں مولانا کے خیالات کا انعکاس تو اس کا اعلان و اعتراف تو میں نے ہمیشہ ڈنکے کی چوٹ کیا ہے..... یہاں تک کہ یہ الفاظ بھی تحریر کئے ہیں کہ "میں نے جماعت اسلامی کی گود میں آنکھ کھولی ہے اور جس طرح ایک بچہ سب کچھ اپنی ماں سے سیکھتا ہے اسی طرح میں نے ان حضرات (مولانا مودودی مرحوم اور مولانا امین احسن اصلاحی) کی آنکھوں سے دیکھنا' ان کے کانوں سے سننا' ان کے دماغوں سے سوچنا اور ان کی زبانوں سے بولنا سیکھا ہے" - (تحریک جماعت اسلامی صفحہ ۴۱) ع "پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں!"

۳- مندرجہ بالا دونوں خطوط کے بالکل برعکس' اور مولانا مودودی مرحوم اور جماعت اسلامی کے ساتھ انتہائی نفرت و عناد کا مظہر ردّ عمل رحیم یار خاں کے جناب ارشاد احمد علوی کے خط میں سامنے آیا ہے' ان کے خط میں مندرجہ بالا دو خطوط میں سے پہلے خط کے مانند تیزی اور تندی بھی ہے' اور دوسرے خط کے انداز میں (اگرچہ بالکل متضاد نقطۂ نظر سے) نصیحت اور فہمائش بھی!! واضح رہے کہ علوی صاحب بھی جماعت اسلامی کے سابق ارکان میں سے ہیں' اور ان کا یہ خط بھی ایک پورے مکتبِ فکر کی نمائندگی کرتا ہے:

محترمی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب - السلام علیکم و رحمتہ اللہ

۲۰ سال بعد آپ پھر "غزل سرا" ہوئے - باسی کڑھی میں ابال آیا - اب بے وقت کی راگنی سے فائدہ؟ بروقت آپ لوگوں نے اپنا فرض ادا نہ کیا - جو لوگ راز ہائے درونِ پردہ سے واقف تھے ان پر لازم تھا کہ وہ جماعت کے مخلصین کو صحیح صورت حال سے آگاہ کر دیں - مگر اُس وقت آپ نے' حکیم اشرف صاحب نے اور دیگر نے بے خبروں کو بے خبر رکھنا ہی مناسب سمجھا - آپ نے ہمت کی اور

"نقضِ غزل" کی قسطیں شروع کیں مگر کوئی "بزرجمہر" اسی طرح آپ کے آڑے آگیا جیسے آپ شیخ جمیل الرحمٰن اور مولانا وصی مظہر ندوی کے آڑے آ گئے تھے - آپ لوگوں نے بعض حکیموں کے "صدری نسخوں" کی طرح اس اجتماعی امانت کو بھی اپنے سینہ میں دفن رکھا - اب جوش دکھانے کا فائدہ؟

جن شرمناک تفصیلات اور افسوسناک حقائق سے آپ واقف ہیں' اس کے بعد تو آدمی کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ ع "جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں" مگر آپ کا حال ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپ ہر وقت اسی گم کردہ راہ قافلہ میں شامل ہونے کے لئے بے چین رہتے ہیں - کئی بار آپ اظہار کر چکے ہیں اور ابھی گزشتہ دنوں پھر یہ بات دہرائی کہ آپ ساتھیوں سمیت جماعت میں شامل ہونے کے لئے تیار ہیں - بس ذرا طریق کار کو بدل لیں -

محترم! طریق کار کا اختلاف کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے - اصل چیز بنیادی عقائد اور دینی فکر ہے - ان کی فکر ٹیڑھی ہے - یہ الحاد کا شکار ہیں - یہ لوگ خدا کے دین کو سیاسی عینک سے دیکھتے ہیں اور ہر بات کا سیاسی مفہوم نکالتے ہیں - "حکمتِ عملی" کے خود ساختہ اصول کے تحت دینِ حق میں ترمیم و تنسیخ کی جرأت کرتے ہیں - اور رسول خدا کے سوا کسی کو تنقید سے بالاتر نہیں سمجھتے - چنانچہ تمام خادمانِ دین' بزرگان' اسلاف حتیٰ کہ صحابہ کرامؓ اور انتہا یہ کہ انبیاءِ عظام سب کو تنقید کا نشانہ بنایا - صرف "رسولِ خدا" کو معاف رکھا - اس کے علاوہ صرف مودودی صاحب کی ذات کو "چھوئی موئی" بنایا ہوا ہے - ان پر نہ صرف یہ کہ تنقید نہیں کرتے بلکہ تنقید برداشت بھی نہیں کرتے - شاید "حضرت" کو بھی "رسولِ خدا" سمجھتے ہوں - اس دینی فکر کے ہوتے ہوئے طریق کار کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے -

• صحابۂ کرامؓ پر کذّابوں' دجّالوں اور رافضیوں کے لگائے ہوئے تمام بہتانات کی تائید کر کے اور خود بھی دو چار بہتان جڑ کر مودودی صاحب نے اپنی اصلیت ظاہر کر دی - اس کے بعد بھی کوئی صاحبِ ایمان شخص مودودی صاحب یا ان کے اندھے مقلّدین کے بارہ میں کوئی حسنِ ظن رکھتا ہے تو وہ خود بھی مشکوک ہے اور یہی آپ کی وہ خامی ہے جس نے آپ کی تمام تر صلاحیتوں اور دینی خدمات کے

باوجود آپ کو مشکوک بنا رکھا ہے - آپ ابھی تک "بُتِ مودودی" کے پجاری ہیں - آپ کی دینی بصیرت کیا ہے کہ آپ اِس شخصیت کو تا حال نہیں پہچان سکے - اگر تمام حقائق کے باوجود آپ اس گمراہ جماعت کا حصہ بننا چاہتے ہیں تو بسم اللہ کیجئے - دیر کیا ہے ع پہنچے گی وہیں یہ خاک جہاں کا خمیر ہے (تصرف کے لئے معذرت)

آپ ایسے باخبر شخص کے لئے تو ضروری تھا کہ پوری جرأت کے ساتھ اس لائن سے اظہارِ برأت کر دیتا - کم از کم درجہ یہ تھا کہ سو فی صد نظر انداز کر کے پوری یکسوئی کے ساتھ دینِ حق کی خدمت کرتے رہیں - مگر آپ بہانہ بہانہ سے مودودی صاحب کی ذات اور ان کی جماعت کا تذکرہ ضرور کرتے ہیں - اپنا اخلاص، نیاز مندی اور خدمات گنواتے ہیں - میرے محترم! آپ الٹے بھی لٹک جائیں تو وہ کبھی نہیں مانیں گے الّا یہ کہ آپ بھی ان کی طرح اندھے مقلّد بن جائیں -

صحیح العقیدہ مسلمانوں کو آپ سے خطرہ یہ رہتا ہے کہ جس طرح آپ کے پیر و مرشد مودودی صاحب نے خالص دین کے نام پر قوم کا مکھن جمع کیا اور اسے شیعیت کے قدموں میں لے جا کر ڈال دیا اب آپ بھی بچا کھچا مکھن اپنے گرد دین کے نام پر جمع کر کے مودودیت کے قدموں میں لے جا کر ڈال دیں گے - کاش! آپ اس دلدل سے نکل سکتے - یکسو ہو جاتے - صحابہ کرام پر بہتانات لگانے والوں سے ذرہ بھر بھی دلچسپی نہ رکھتے - خدا کے لئے محترم! اپنے آپ کو سنبھالیں "اُسی عطار کے لونڈے" سے دوا لینے کا خیال ترک کر دیں جس کے سبب "بیمار" پڑے ہیں - اللہ تعالیٰ توفیق سے نوازیں - آمین

والسلام آپ کا خیر خواہ
ارشاد احمد علوی

محترم ارشاد احمد علوی اور ان کے ہم خیال حضرات کی خدمت میں کچھ گزارشات پیش کرنے کے بارے میں کچھ سوچتے ہوئے اچانک ذہن اس بات کی طرف منتقل ہوا کہ تقریباً ایک ماہ پیشتر پشاور سے خیبر میڈیکل کالج کی ایک طالبہ کا خط موصول ہوا تھا جس میں انہوں نے مولانا مودودی مرحوم اور تفہیم القرآن کے بارے میں بعض علماءِ کرام کی آراء -

کے حوالے سے اپنے لئے رہنمائی چاہی تھی۔

آنعزیزہ کو جو جواب راقم نے ارسال کیا تھا' مناسب محسوس ہوتا ہے کہ اس مقام پر اُسی کو من و عن درج کر دیا جائے ..... وھو ھذا:۔

" آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ مولانا مودودی مرحوم کی شخصیت کے دو پہلو تھے: ایک یہ کہ وہ ایک عالم' مفکّر اور مصنّف تھے' اور اُن کی علمی آراء اور نظریات میں صحیح چیزیں بھی ہیں اور غلط بھی' چنانچہ جہاں انہوں نے اسلام کے سماجی اور سیاسی اور کسی حد تک معاشی نظام کی وضاحت میں بہت وقیع خدمات سر انجام دیں' وہاں انبیاء کرامؑ اور صحابہ کرامؓ کے تذکرہ میں اُن کا قلم عام طور پر بھی بے باک ہو جاتا ہے' ..... اور بالخصوص ان کی تصنیف "خلافت و ملوکیت" تو بہت ہی گمراہ کُن کتاب ہے ..... دوسرے یہ کہ وہ ایک تحریک کے داعی تھے' اور انہوں نے اقامتِ دین کی جدّوجہد اور غلبۂ دین کے لئے جہاد کی فرضیت کو خوب سمجھا اور سمجھایا - میری اُن سے اصل دلچسپی اسی پہلو سے ہے - اور میں اپنی دعوت اور تحریک کا تعلق ان ہی کی دعوت اور تحریک کے ساتھ جوڑتا ہوں - البتّہ مجھے صدمہ ہے کہ انہوں نے ۱۹۴۷ء میں قیامِ پاکستان کے بعد اپنے ہی اصولی موقف سے انحراف اختیار کر لیا!..... یہاں یہ بات بھی واضح ہو جائے تو اچھا ہے کہ ہمارے قدیم مذہبی نظامِ تعلیم سے وابستہ علماءِ کرام کی اکثریت فریضۂ اقامتِ دین کی اہمیت سے غافل ہے - چنانچہ انہیں مولانا مودودی مرحوم کی برائیاں تو نظر آتی ہیں خوبیاں بالکل نظر نہیں آتیں -

بہرحال آپ کی طلب صادق ہے - اللہ تعالیٰ سورۂ عنکبوت کی آخری آیت میں وارد شدہ پختہ وعدے کے مطابق آپ کو ضرور ہدایت دے گا - تفہیم القرآن آپ ضرور پڑھیں لیکن اس کے ساتھ حضرت شیخ الہندؒ کا ترجمہ اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے حواشی بھی لازماً مطالعہ میں رکھیں - اس سے تفہیم کے ممکنہ مضر اثرات کا ازالہ ہو جائے گا - البتّہ دین کا تحریکی تصوّر آپ کو تفہیم کے علاوہ کسی اور تفسیر سے نہیں ملے گا"۔

اسی تسلسل میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسی شخصیت کا 'ردِّ عمل' بھی سامنے آ جائے جسے حلقہ دیوبند کے اکابر علماء کے ساتھ صرف محبّت اور عقیدت ہی کا نہیں قریبی

تعلق اور ذاتی روابط کا شرف بھی حاصل ہے - ان کے مختصر لیکن نہایت معنی خیز ردِ عمل کی اہمیت واضح نہیں ہوگی اگر اُن کا ذاتی تعارف سامنے نہ آجائے ــــــــ جو حُسنِ اتفاق سے خود اُن کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے - یہ اُن کے اُس طویل مکتوب میں شامل تھا جو 'میثاق' کی جنوری ۸۹ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا... جو حسب ذیل ہے :

" دہلی کا رہنے والا ہوں - ولادت ۱۹۲۸ء میں ہوئی - ننہیال ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے خاندان سے متعلق ہے - والد صاحب حضرت شیخ الہندؒ سے نسبت رکھتے تھے - خلافت کے زمانہ سے پریکٹس چھوڑ کر تجارت اور انکم ٹیکس کے مقدمات کی پیروی تک محدود رہ گئے تھے - نہایت دین دار اور متقی بزرگ تھے - حج سے فراغت کے ایک سال بعد ۱۹۴۵ء میں وفات پاگئے - حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کے بعد حضرت تھانویؒ سے تعلق بڑھا لیکن بیعت نہ ہوئے اور آخر میں مولوی محمد الیاس صاحبؒ بانیٔ جماعتِ تبلیغ سے عشق کی حد تک تعلق تھا...... ہم تین بڑے بھائی حافظ ہوئے اور عربی، فارسی کے عالم بھی - ساتھ ہی ضرورتِ وقت کے پیش نظر انگریزی تعلیم سے بھی بے بہرہ نہ رہے - یہ شاید اس کا اثر تھا کہ سابق وزیر و وائس چانسلر ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب قریشی کے تعلیمی دور میں دہلی میں میرے والد صاحب ہی اُن کے سرپرست و نگران تھے ...... میں نے دورۂ حدیث حضرت مفتی اعظم، محمد کفایت اللہ صاحبؒ اور شیخ الاسلام مولوی سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کے زیر سایہ مکمل کیا، تفسیر میں مولوی محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ میرے استاد تھے - درسِ نظامی میں ان حضرات کے علاوہ مولوی اشفاق حسین صاحب کاندھلویؒ اور مولوی شریف اللہ صاحبؒ (یہ دونوں حضرات مولوی ابو الاعلیٰ مودودی صاحب اور مولوی اخلاق حسین صاحب قاسمی کے بھی استاد تھے) بھی شامل تھے ...... قاسمی صاحب مجھ سے نسبتاً سینئر تھے وہ میرے بڑے بھائی صاحب کے ساتھ کے ہیں ...... میں نے حفظِ قرآن کے بعد تجوید اور پھر سبعہ قراءت وغیرہ کی بھی تکمیل کی ...... میری علمی، دینی اور ذہنی تربیت مولوی محمد کفایت اللہ صاحبؒ اور مولوی قاری محمد طیب صاحبؒ (بعد میں یہ دونوں حضرات رشتہ میں میرے سمدھی بھی بنے)، مولوی سید حسین احمد صاحبؒ مدنی جو میرے شیخ اور مشفق استاد بھی تھے، مولوی محمد الیاس صاحبؒ، مولوی ابو الکلام آزاد صاحب، مولوی احمد سعید صاحب، مولوی حفظ

الرحمٰن صاحبؒ سیو ہاروی اور قطبِ وقت حضرت مولوی عبد القادر صاحبؒ رائپوری جیسے اکابر کی نگرانی میں ہوئی حاشا یہ خود ستائی نہیں بلکہ تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ ان سب کی ہی خصوصی صحبتیں، شفقتیں اور قربتیں مجھے نصیب رہیں۔ فللہ الحمد علیٰ ذلک!

اس 'طویل' تعارف کے بعد 'نقضِ غزل' پر موصوف کا 'مختصر' تبصرہ ملاحظہ ہو:

بلی ماراں، دہلی نمبر 6
ہفتہ ۳ر رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ ۳۱ر مارچ ۱۹۹۰ء

محترم القام زید مجدکم!

السلام علیکم و رحمت اللہ و برکاتہ متعنا اللہ بطول بقائکم

مزاج سامی!

شعبان کی آخری تاریخوں میں دہلی واپس لوٹنے پر 'میثاق' نظر نواز ہوا تین ماہ کے پرچے پیشِ نظر رہے۔ 'حکمتِ قرآن' کا صرف مارچ کا ہی شمارہ ملا۔ جنوری و فروری کے پرچے نہیں ملے۔ "نقضِ غزل" بالاستیعاب پڑھا۔ اس ترشی نے تو جماعت اسلامی کا تمام ہی نشہ اتار دیا۔ گویا بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔ میں نے بالمشافہ بھی عرض کیا تھا آپ ڈاکٹر نہ بنتے تو اچھے بیرسٹر بنتے۔ صغریٰ کبریٰ کی بساط کس سلیقہ سے جماتے ہیں، پھر نتائج پر سر نہ دھنا جائے تو کیا کیا جائے؟

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

تنظیم اسلامی کے سلسلے میں آپ کا ویژن کا حق ہمیشہ دل میں کھٹکتا تھا، "نقضِ غزل" پڑھنے سے کلی طور پر شرحِ صدر ہوگیا اور آپ کی مصلحت دل میں اتر گئی اور آپ کی پیش بینی کا اور بھی سکہ جم گیا۔ شاید ذوق کا شعر ہے۔

نگہ نہیں حرفِ دل نشیں تھا، دہن کی تنگی سے تنگ ہو کر
جو نکلا آنکھوں کے راستے سے تو دل میں اترا خدنگ ہو کر

نیاز مند

اختر ہاشمی

اور اب آیئے بعض ایسے امور کی جانب جن میں کسی غلطی کی تصحیح' یا کسی واقعہ کی تردید' یا بعض ذاتی وضاحتیں شامل ہیں۔

۱- ان میں سے ایک تصحیح زبانی موصول ہوئی۔ چنانچہ بھائی اللہ بخش سیال صاحب نے بتایا کہ وہ ترکستانی قاری صاحب جنہوں نے ماچھی گوٹھ کے اجتماعِ ارکان میں میرے خلاف سب سے پہلے احتجاج کیا تھا فوت نہیں ہوئے بلکہ بحمد اللہ بقیدِ حیات ہیں۔ دراصل وہ اجتماعِ ماچھی گوٹھ کے فوراً بعد (غالباً سردار محمد اجمل خاں لغاری مرحوم سے ناراض ہو کر) رحیم آباد سے نقل مکانی کر گئے تھے۔ غالباً اسی سے میرے ذہن میں تأثر پیدا ہوا کہ شاید اُن کا اُنتقال ہو گیا ہے۔ بہرحال میں نے اُن کا تذکرہ اچھے ہی الفاظ میں کیا تھا۔ اور اب قارئینِ 'میثاق' کو یہ اطلاع دیتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ موصوف واپس رحیم آباد تشریف لا کر حسبِ سابق بچوں کو قرآن مجید پڑھانے کی خدمت سر انجام دے رہے ہیں!

۲- دوسری مختصر وضاحت کراچی کے جناب محمد احتشام الدّین صاحب کی جانب سے موصول ہوئی ہے جو درج ذیل ہے:

محترمی و مکرمی ڈاکٹر صاحب السلام علیکم

امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ مارچ کا میثاق نظر سے گزرا۔ صفحہ ۹۴ پر میرا نام آپ نے اُن حضرات میں شاملِ تحریر فرمایا ہے جو اختلاف کی بنا پر جماعت اسلامی سے علیحدہ ہوئے۔ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ میں چونکہ سرکاری ملازم تھا اور جماعت نے فیصلہ کیا تھا کہ سرکاری ملازمین کو رکنِ جماعت نہیں رکھا جائے گا اس بنا پر مجھے جماعت سے مستعفی ہونا پڑا۔ امید ہے کہ آپ ریکارڈ درست فرمالیں گے اور آئندہ ماہ کے میثاق میں اس کی تصحیح شائع فرمادیں گے۔ شکریہ

محمد احتشام الدین

سابق رکن جماعت اسلامی کراچی

اس سلسلے میں اتنی وضاحت ہماری جانب سے بھی ضروری ہے کہ کراچی میں ۵۹-۵۸ء

کے دوران راقم نے موصوف کو ہمیشہ ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی مرحوم کے حلقے میں کسی نئی تعمیر و تنظیم کے ضمن میں ہونے والے مشوروں میں شریک دیکھا تھا جس کی بنا پر یہ گمان ہوا کہ جماعت کی پالیسی کے ضمن میں اُن کا موقف بھی وہی ہے جو دوسرے علیحدہ ہونے والے لوگوں کا ہے - لطف یہ ہے کہ اپنے اس خط میں بھی انہوں نے ایک واقعاتی تصحیح تو کی ہے لیکن اس اہم اور بنیادی امر کی تردید نہیں کی !!

۳- تیسری قدرے طوالت طلب وضاحت یا تصحیح جدّہ ' سعودی عرب سے جناب صبا حسنی صاحب کی جانب سے موصول ہوئی ہے ' اُن کا گرامی نامہ بھی مِن و عن شائع کیا جا رہا ہے :

محترمی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ! السلام علیکم

جس' میثاق' کا شدت سے انتظار تھا کل ہی موصول ہوا - "نقضِ غزل" کی جہاں بہت سی باتوں سے مجھے اتفاق نہیں وہیں ایک بات تو ایسی ہے جو بالکل خلافِ واقعہ ہے - میں اس طرف متوجّہ کرانا ضروری سمجھتا ہوں - آپ نے ص ۳۹ پر "حقیقی عزائم" کے تحت جو واقعہ چودھری غلام محمد صاحب مرحوم کی طرف منسوب کیا ہے چودھری صاحب نے میرے استفسار پر اس کی حلفیہ تردید کی تھی - امید ہے آپ اسے بھی اپنے رسالہ میں شائع فرمائیں گے -

بات یوں ہوئی کہ یہی واقعہ ۱۹۶۶ء کے 'میثاق' میں بھی چھپا تھا - 'میثاق' کا شروع سے میں خریدار رہا ہوں - میں نے جب پڑھا تو یہ بات مجھے انہونی سی محسوس ہوئی - طبیعت مضطرب ہوئی ' میں کراچی کے دفترِ جماعت پہنچا تاکہ اس کی تحقیق کروں - چودھری صاحب موجود تھے - اُن کے پہلو میں کرسی پر جناب صادق حسین صاحب بھی تشریف فرما تھے - میں نے چودھری صاحب کے سامنے 'میثاق' رکھتے ہوئے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے ؟ پڑھنے کے بعد چودھری صاحب نے دراز سے قرآن مجید نکالا اور اس پر ہاتھ رکھ کر کہا : "صبا صاحب یہ بالکل جھوٹ ہے - ان لوگوں کو ذرا خدا کا خوف نہیں - مخالفت میں اندھے ہو گئے ہیں" - میں نے کہا کہ پھر اس کی تردید اخبار میں آنی چاہئے تو فرمایا : "کس کس بات کی تردید کی جائے - اس جیسی نہ جانے کتنی باتیں ہیں - صبر سے کام لیجئے اور اللہ کے حوالے کر کے مثبت

کام میں لگے رہیئے ۔"

یہ بات میں خدا کو شاہد گردانتے ہوئے بیان کر رہا ہوں - ہو سکتا ہے الفاظ میں ردّو بدل ہو مگر مفہوم بالکل یہی تھا - مجھے آج تک وہ منظر اور چودھری صاحب کا انداز یاد ہے جیسے ابھی کل کی بات ہو - میں ان کی ہدایت کے مطابق اسے نظر انداز کر گیا تھا لیکن آپ نے ان باتوں کا پھر اعادہ کیا ہے جس سے ساری بھولی بسری باتیں ذہن میں تازہ ہوگئیں اور اس وقت کے تاثرات اور اضطرابی کیفیت پھر عود کر آئی - کاش آپ ان سب کو دفن کر کے اپنے مثبت کاموں میں لگے رہتے اور بنائے کہنہ کو ویران کرنے میں قوت ضائع کرنے کی بجائے تعمیرِ نو پر صرف کرتے تو مفید ہوتا۔

خیر اندیش
صبا حسنی
ص۔ب۔ ۷۴۳۶۔ جدّہ

اس ضمن میں کسی قال و اقول کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ چوہدری غلام محمد مرحوم عرصہ ہوا کہ فوت ہو چکے 'اب ان کے بارے میں کچھ عرض کرنا مناسب نہیں' ...... ویسے بھی معاملہ اصلاً ان کے اور مولانا حکیم عبد الرحیم اشرف صاحب کے مابین تھا اور ہم نے ان ہی کی روایت کے حوالے سے درجِ 'میثاق' کیا تھا - اور وہ بحمد اللہ بقیدِ حیات ہیں - اب اگر وہ مناسب سمجھیں اور "احقاقِ حق" اور "ابطالِ باطل" کی ذمہ داری ادا کرنا ضروری خیال فرمائیں تو 'میثاق' کے صفحات حاضر ہیں - اور اگرچہ اُن کی جانب سے اب تک کا سکوت توثیق ہی کے مترادف ہے تاہم اگر وہ اس واقعے کی تردید کر دیں تو خدا گواہ ہے کہ سب سے زیادہ خوشی ہمیں ہوگی -

البتہ ذاتی وضاحت کے ضمن میں عرض ہے کہ اس واقعے کی بر وقت تصحیح یا تردید کرنے سے احتراز کر کے چوہدری صاحب مرحوم نے بھی غلطی کی تھی اور خود صبا حسنی صاحب نے بھی - اس لئے کہ ہمارا یہ طرزِ عمل ان دونوں حضرات کی نگاہوں سے مخفی نہیں ہو سکتا کہ ۶۷ - ۱۹۶۶ء میں جب 'نقضِ غزل' کی اشاعت جاری تھی ایک تصحیح سید صدیق الحسن گیلانی مرحوم کی جانب سے موصول ہوئی تھی جسے ہم نے بتمام و کمال شائع کر دیا تھا حالانکہ وہ معاملہ چنداں اہم نہ تھا...... تو اگر اُس وقت یہ تصحیح یا تردید بھی موصول ہو جاتی تو

کیوں شائع نہ ہوتی - جبکہ یہ معاملہ نہایت اہم اور فیصلہ کن حیثیت کا حامل تھا..... چنانچہ ہم اپنی اس صفائی کے ثبوت میں 'میثاق' بابت جون ۶۷ء سے گیلانی صاحب مرحوم کا خط اور اس پر اپنا تبصرہ من و عن نقل کر رہے ہیں:

محترم صدیق الحسن گیلانی ' سابق امیر جماعت اسلامی حلقہ راولپنڈی و حال انچارج شعبہ پارلیمانی امور مرکز جماعت اسلامی ' اچھرہ ' تحریر فرماتے ہیں:

" آپ نے 'میثاق' میں ایک سلسلۂ مضامین شروع کیا ہے جس میں آپ نے دس بارہ سال پہلے کے کچھ واقعات بیان فرمائے ہیں - دسمبر ۱۹۶۶ء کے 'میثاق' میں صفحہ ۳۸ پر میرا ذکر آیا ہے اور آپ نے لکھا ہے کہ ملک سعید صاحب کو بھی معطل کرنے کا ارادہ کیا گیا تھا - لیکن ملک صاحب بہت ہوشیار آدمی تھے - میرا ارادہ بھانپ کر پہلے ہی پریس کانفرنس کر کے مستعفی ہوگئے - اور جماعت پر سنگین الزامات لگائے ..... اصل واقعات یوں ہیں کہ میں نے ملک سعید صاحب کی رکنیت بہت پہلے معطل کر دی تھی - حکیم عبد الرحیم اشرف وغیرہ کے معاملات بہت بعد میں پیش آئے ہیں - رکنیت سے معطلی کا فیصلہ اور چارج شیٹ ملک صاحب کی خدمت میں بھی ارسال کر دی تھی اور مرکزی دفتر کو بھی بھیج دی گئی تھی - محترم امیر جماعت نے مولانا عبد الغفار حسن صاحب اور محمد باقر خاں مرحوم پر مشتمل اک ٹریبونل مقرر کر دیا تھا اس ٹریبونل نے چارج شیٹ کی ایک نقل ملک صاحب کو دوبارہ دی اور چند روز کی مہلت دے کر تاریخ مقرر کر دی تاکہ ملک صاحب چارج شیٹ کا جواب دے سکیں - جس تاریخ کو انہیں ٹریبونل کے سامنے پیش ہو کر جواب دہی کرنا تھی اسی روز انہوں نے پریس کانفرنس کر کے جماعت سے تعلق منقطع کر دیا۔

آپ کو اگر ایڈمنسٹریشن کا کچھ تجربہ ہوا ہو تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بہت سی ضابطہ کی کارروائیاں ہر ایڈمنسٹریشن چلانے والے آدمی کو کرنا پڑتی ہیں اور بسا اوقات اپنے دوستوں کے خلاف بھی کرنا پڑتی ہیں - ضابطہ کی کارروائیوں میں ذاتی رجحانات اور خیالات ' دوستی اور مخالفت کا کوئی دخل نہیں ہوتا - یہ کارروائیاں علی الاعلان تمام کارکنوں کے سامنے ہوتی ہیں اور نظم بالا کو بھی ان پر

غور کرنا ہوتا ہے - اگر بے جا کارروائی ہو تو خود کارروائی کرنا والا بھی مطعون ہوتا ہے - ایسی کارروائیوں کو بد نیتی پر مبنی قرار دینا میری ناقص رائے میں بہت بڑی زیادتی ہے بلکہ ظلمِ عظیم ہے - میں نے ہمیشہ ضابطے کی ہر کارروائی اپنے ایمان و ضمیر کے مطابق کی ہے اور کبھی اپنے ذاتی رجحان کو کسی کارروائی کی بنا نہیں بنایا - یہ ملک صاحب کی صوابدید تھی کہ انہوں نے ٹریبونل کے سامنے پیش ہونے سے گریز کیا اور مستعفی ہو گئے :

"پ - ن : ملک صاحب کو ذاتی طور پر مجھ سے یا مجھے ان سے کبھی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی - ہم دونوں نے قومی اسمبلی کا الیکشن مارشل لاء کے دور میں ۱۹۷۳ء میں لڑا تھا اور دوستانہ ماحول میں الیکشن کے کام کئے - مجھے صرف ۴۶ ووٹ ملے تھے اور انہیں صرف ۹ ووٹ مل سکے - شاید اس لئے کہ وہ الیکشن کو ناجائز سمجھ کر کام کر رہے تھے اور ناجائز ذرائع بھی اسی لئے استعمال کر رہے تھے" -

مندرجہ بالا وضاحت اگرچہ زیادہ تر ایک اجمال کی تفصیل کی نوعیت کی ہے تاہم قارئینِ 'میثاق' کی خدمت میں پیش ہے تاکہ وہ "نقضِ غزل" کے متعلقہ مقام کی 'تصحیح' فرما لیں ..... رہی نیک نیتی اور بد نیتی کی بحث تو اس معاملے میں ع "ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی" کی صورت بن جائے گی - جہاں "حکمتِ عملی" کے خوش نما الفاظ کے پردے میں "End Justifies Means" کے نظریئے کو جوں کا توں اپنا لیا گیا ہو' وہاں 'نیت' کے مسئلے پر گفتگو محض وقت کا ضیاع ہے -

"پس نوشت" میں گیلانی صاحب نے بلا ضرورت و بے محل ملک سعید صاحب پر کیچڑ اچھال کر دل کی بھڑاس نکالنے کی جو کوشش فرمائی ہے وہ کسی طرح داعیانِ 'اقامتِ دین' کے شایانِ شان نہیں ... اس سلسلے میں اگر کوئی وضاحت ملک صاحب کرنا چاہیں تو 'میثاق' کے صفحات حاضر ہیں !

بہرحال ہم نے جناب صباحسنی کی یہ تصحیح یا تردید بھی شائع کر دی ہے اگرچہ وہ دنیا کے ہر قاعدہ و قانون کے اعتبار سے "Time-Barred" ہے!

۴- آخری 'طویل'..... اور 'دلچسپ' وضاحت جناب مصطفےٰ صادق صاحب کی جانب سے اس اصرار کے ساتھ موصول ہوئی ہے کہ اسے ضرور شائع کر دیا جائے..... چنانچہ ان کی مکمل تحریر بھی ہدیہ قارئین کی جا رہی ہے:

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

"میثاق" کے شمارہ مارچ ۱۹۹۰ء میں اجتماع ماچھی گوٹھ میں میری تقریر کے حوالے سے جو باتیں آپ نے شائع کی ہیں مجھے ان کی اشاعت پر اس لحاظ سے سخت صدمہ ہوا کہ میں آج تک ان باتوں کو اس انداز میں شائع کرنا یا شائع کرانا مناسب نہیں سمجھتا تھا- آپ کو یاد ہوگا کہ اس موضوع پر آپ سے میری گفتگو ہوئی تھی' اس میں بھی میں نے یہ گزارش کی تھی کہ اجتماع ماچھی گوٹھ سے واپسی کے بعد اُس وقت تک کے قیّم جماعت اسلامی محترم میاں طفیل محمد صاحب نے مجھ سے اپنی اس تقریر کا مکمل متن طلب کیا تھا اس لئے کہ وہ اسے (ان کے خط کے مطابق) اجتماع کی روداد میں شامل کرنا چاہتے تھے- میں نے میاں صاحب کے اس خط کے جواب میں خود حاضر ہو کر ان سے عرض کیا تھا کہ میری یہ تقریر صرف ارکانِ جماعت کے اجتماع کے لئے تھی اس کا روداد میں شامل کرانا میں مناسب نہیں سمجھتا- میاں صاحب سے اپنی اس گفتگو کا ذکر میں نے آپ سے بھی بطورِ خاص کیا تھا۔

اس کے بعد آپ نے ٹیلی فون پر مجھ سے کہا تھا کہ آپ کی تقریر میں اپنے مضمون میں شامل کرنا چاہتا ہوں لیکن میں چونکہ ملاقات کے دوران اس کے Notes نہیں لے سکا اس لئے آپ اسے مرتّب کر کے بھجوا دیں- اس پر بھی میں نے آپ سے یہ گزارش کی تھی کہ میں اپنی اس تقریر کی اشاعت کے حق میں نہیں ہوں- اس پر آپ نے بے تکلّفانہ انداز میں استفہامیہ طور پر کہا تھا کہ آپ میری اس سلسلہ میں مدد نہیں کریں گے؟- میں نے جواباً عرض کیا تھا کہ آپ اس موضوع پر اب تک اکیلے ہی کام کرتے آئے ہیں اور یہی شاید مناسب بھی ہے- پھر آپ نے آخری جملہ یہ کہا کہ "چلئے پھر آپ کم از کم اپنے طور پر اپنی معلومات کو اور اُس دور سے متعلق واقعات کو مرتّب کر کے شائع ضرور کرائیں

تاکہ ماضی کے تجربات آئندہ کام کرنے والوں کے لئے مفید ثابت ہو سکیں" -
اس پر ہماری گفتگو ختم ہوگئی۔

"میثاق" کے تازہ شمارہ میں مجھ سے جو باتیں آپ نے منسوب کی ہیں وہ معنی اور مفہوم کے اعتبار سے اگرچہ درست ہیں لیکن ایک تو فی الحقیقت یہ جماعت کے داخلی معاملات تھے اور دوسرے میں یہ پہلو بھی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ماچھی گوٹھ میں میری تقریر کسی خاص فرد یا افراد کے خلاف محض الزامی نوعیت کی باتوں پر مشتمل نہیں تھی۔اس کے برعکس میں نے تو اِن تمہیدی کلمات سے اپنی تقریر کا آغاز کیا تھا کہ ماضی میں انتخابی سرگرمیوں کے دوران اگر کچھ غلطیاں اور لغزشیں وقوع پذیر ہوئی ہیں تو یہ ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری تھی۔ تاہم ذمہ داری جب تقسیم کی جائے گی تو جماعت کے مرکزی عہدیداروں اور دوسرے اہم مناصب پر فائز اصحاب عام ارکانِ جماعت کے مقابلے میں جواب دہی کے نقطۂ نظر سے زیادہ ذمہ دار قرار پائیں گے - اپنی اس تقریر میں مَیں نے بلاشبہ انتخابی معرکہ آرائی میں جماعت کے کارکنوں کی ایسی سرگرمیوں کا ذکر کیا تھا جو جماعت کی طے کردہ پالیسی کے یکسر منافی تھیں لیکن ان امور کی نشان دہی کا مقصد (جو میں نے اپنی تقریر میں واضح بھی کر دیا تھا) صرف اور صرف یہ تھا کہ آئندہ انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کرنے کے لئے ماضی کے تجربات اور واقعات کو ضرور پیشِ نظر رکھنا چاہئے - اپنے اس موقف کی وضاحت کے لئے میں نے محترم امیرِ جماعت سے انتہائی ادب و احترام کے ساتھ مخاطب ہوتے ہوئے یہ گزارش بھی کی تھی کہ " پنجاب اور بہاولپور کے انتخابات کے مقابلے میں ملک بھر کے انتخابات کی مثال بالکل ایسی ہے کہ آپ نے پہلے ہمیں چھوٹے بڑے ندی نالوں کو عبور کرنے کا حکم دیا جنہیں عبور کرتے وقت ہم کیچڑ میں لت پت ہوگئے اب ہمیں ایک وسیع اور گہرے سمندر میں کود جانے کا حکم دیا گیا تو خود ہی غور فرمالیں کہ اس مہم جوئی میں کارکنوں پر کیا بیتے گی اور اس امتحان میں ہم کس حد تک سرخرو ہوسکیں گے"

اس تقریر کو اگرچہ بعض شرکاءِ جماعت نے سخت ناپسند کیا لیکن جیسا کہ

آپ خود لکھ چکے ہیں ارکانِ جماعت کی ایک معقول تعداد نے میری تائید بھی کی۔ اس سب کچھ کے باوجود میں ذہناً ان واقعات کی اشاعت کے لئے اپنے آپ کو کبھی آمادہ نہیں کر پایا۔ یہی میں نے آپ سے بھی عرض کیا تھا۔ ہو سکتا ہے میری یہ بات آپ کے ذہن سے محو ہو گئی ہو، تاہم اب آپ سے میری بصد ادب یہ درخواست ہے کہ "میثاق" کی آئندہ اشاعت میں میرا یہ عریضہ شائع کر دیں اور اس کے ساتھ ہی آپ کی خدمت میں مَیں یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ "میثاق" کے محولہ بالا مضمون میں مجھ سے جو باتیں منسوب کی گئی ہیں براہ کرام انہیں اپنی زیر تالیف کتاب میں شامل نہ کریں۔

شکریہ والسلام
مصطفیٰ صادق

اس 'وضاحت' کے بارے میں ہم یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اپنی فراہم کردہ معلومات کے ضمن میں مصطفےٰ صادق صاحب کا یہ فرمانا کہ انہوں نے راقم کو ان کی اشاعت سے روک دیا تھا اگر بعد کی اختراع نہیں تو یقیناً ایسے 'معہودِ ذہنی' کی حیثیت رکھتا ہے جو ان کے ذہن میں ہو تو ہو زبان پر ہرگز نہیں آیا!..... میاں طفیل محمد صاحب سے اپنی گفتگو کا ذکر انہوں نے بطورِ واقعہ ضرور کیا تھا' اور میری اس گزارش سے بھی کہ مناسب ہے کہ ہر شخص اپنی مفصّل سرگزشت لکھ کر تاریخ کا قرض ادا کر دے انہوں نے نہ صرف یہ کہ اتفاق کیا تھا بلکہ اس ضمن میں بعض دوسرے حضرات کے اصرار کا بھی تذکرہ فرمایا تھا..... تاہم انہوں نے خود میرے یہاں تشریف لا کر جس انشراح کے ساتھ تفاصیل بیان کی تھیں (جن پر میں ان کا شکریہ علی الاعلان ادا کر چکا ہوں) قطع نظر اس 'واقعے' کے کہ انہوں نے مجھے ان کی اشاعت سے ہرگز نہیں روکا' سوال یہ ہے کہ اگر فی الواقع اُن کی اشاعت مطلوب نہ تھی تو انہوں نے انہیں بیان کس لئے کیا تھا؟

بہرحال راقم الحروف کے اطمینان کے لئے یہ کافی ہے کہ بحمد اللہ انہوں نے یہ وضاحت فرما دی ہے کہ "مجھ سے جو باتیں آپ نے منسوب کی ہیں وہ معنی اور مفہوم کے اعتبار سے"... "درست ہیں!" جس کے لئے میں اُن کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

باقی اس 'وضاحت' میں 'دلچسپی' کا پہلو یہ ہے کہ انہوں نے "جماعت کے داخلی معاملات"

اور اُن کے ضمن میں ناپسندیدہ تفصیلات کی اشاعت کو اپنے نزدیک سخت مکروہ قرار دیتے ہوئے اپنے 'واجب الاشاعت' خط میں بعض مزید تفصیلات کا اضافہ فرمادیا ہے؟ اب ع" کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا!"۔۔۔۔۔

ہم اپنے خیال کے مطابق 'نقضِ غزل' کے ردِّ عمل پر گفتگو مکمل کر چکے تھے کہ اچانک یاد آیا کہ ہمارے ناصحین' محبّین اور مخلص ناقدین میں سے ایک اور اہم شخصیت کا خط بھی سات سمندر پار سے آیا ہوا ہے - ہماری مراد جناب شمیم احمد صدیقی صاحب سے ہے جو تحریک اسلامی کے ساتھ نہایت قدیمی اور گہرا تعلق رکھتے ہیں - موصوف کا آبائی تعلق سرزمینِ لکھنؤ سے ہے - وہاں سے وہ مشرقی پاکستان منتقل ہوئے جہاں وہ جماعت اسلامی کے نہایت سرگرم اور صفِ اول کے کارکنوں میں شامل رہے - ۷۰-۱۹۷۱ء کے حوادث سے دل برداشتہ ہو کر امریکہ 'ہجرت' کرلی - اب نیویارک میں مقیم ہیں اور وہاں مقامی طور پر امریکی نژاد مسلمانوں میں وہاں کے مقامی ماحول اور مخصوص مزاج کے مطابق تحریک اسلامی کا ایک نیا قافلہ تشکیل دینے کی کوششوں میں مصروف ہیں - جماعت اسلامی کی تحریک سے گہری قلبی و ذہنی وابستگی اور مولانا مودودی مرحوم کی ذات سے شدید محبت و عقیدت کے ساتھ ساتھ راقم الحروف سے بھی ذہنی مناسبت اور دلی محبت رکھتے ہیں - ان کی شدید خواہش ہے کہ کسی طرح جماعت اسلامی اور تنظیم اسلامی کے مابین خلیج پاٹ دی جائے اور یہ دونوں تنظیمیں اول تو باہم مدغم ہو کر ورنہ کم از کم یک جان دو قالب ہو کر فریضۂ اقامت دین کے لئے شانہ بہ شانہ جدوجہد کریں - گزشتہ سال ڈٹرائٹ (میشی گن - امریکہ) میں تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام جو سات روزہ تربیتی کیمپ منعقد ہوا تھا اس میں وہ از اول تا آخر شریک رہے تھے اور اس میں جو اختتامی تقریر راقم نے کی تھی اسے بے حد سراہا تھا ——— پاکستان کے بھی انہوں نے بعض سفر اسی ارادے سے کئے کہ جماعتِ اسلامی کے قائدین' جن میں سے اکثر کے ساتھ ان کی دیرینہ شناسائی ہے' سے ملاقات کر کے جماعت اور تنظیم کے مابین فاصلوں کو کم کرنے کی کوشش کریں ——— اگرچہ اس میں انہیں کوئی کامیابی حاصل نہ ہو سکی -

صدیقی صاحب کے لئے 'نقضِ غزل' جس صدمہ کا باعث بنا ہوگا ہمیں اُس کا پورا

اندازہ ہے ' اس لئے کہ اس سے ایک جانب قلبی محبت و عقیدت کو ٹھیس پہنچی ہوگی تو دوسری جانب اُس خواہش کے ضمن میں بھی کہ ہمارے اور جماعت اسلامی کے مابین بُعد و فصل کم ہو کم از کم وقتی طور پر ع "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!" کی سی کیفیت پیدا ہوئی ہوگی - چنانچہ ان کا ایک بہت مفصل خط برادرم قمر سعید صاحب کے نام موصول ہوا جس کے دو اقتباسات درج ذیل ہیں -

۱- " 'نقضِ غزل' دین کی کوئی اچھی خدمت نہیں ہے - اس سے دلوں میں اور بُعد پیدا ہوگا ' تلخیاں ابھر کر کشمکشِ حیات میں مزید زہر گھول دیں گی اور اس سے دین کی راہ اور کھوٹی ہوگی - اگر مولانا مرحوم نے بقول ڈاکٹر صاحب کے کچھ غلطیاں کی تھیں تو وہ اب تاریخ کا حصہ ہیں - ڈاکٹر صاحب کا کام تاریخ سازی ہے ' تاریخ کا لکھنا نہیں ہے - غلط یا صحیح ہونے کا فیصلہ مستقبل کا مؤرخ کرے گا ' جس کے پاس ذاتی پسند و ناپسند جیسی کوئی چیز نہ ہوگی ' اس کے ہاں جذبات کی آمیزش نہ ہوگی - اُس وقت تاریخ اپنا بے لاگ تبصرہ دے گی اور پھر آنے والی نسلیں مولانا مرحوم اور ڈاکٹر صاحب دونوں کے تاریخ میں پیش کردہ کردار پر رائے زنی کریں گی " -

۲- " میں نے اپنے پچھلے خطوط میں بھی ڈاکٹر صاحب سے یہ مؤدبانہ عرض کیا تھا اور اب پھر عرض کر رہا ہوں کہ آپ صرف مثبت انداز میں اقامتِ دین کی جدوجہد میں لگے رہیں - آپ کا اخلاص ' آپ کی دینی خدمات اور آپ کی جانفروشانہ کوششیں حق کے مثبت کارکنوں کو کھینچ کھینچ کر آپ کے کارواں کی گردِ راہ بنا دیں گی - آپ کا کارواں چلتا رہے گا ' لوگ ملتے رہیں گے - اگر منزل سَر کر لی تو فبہا ' اور اگر شہادت علی النّاس کی ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے شہیدِ راہ ہوگئے تو عین کامیابی ! پھر اس قافلہ کی قیادت کچھ اور لوگ آگے بڑھ کر سنبھال لیں گے - دوسروں پر انگشت نمائی کرنا ایک داعی کا شیوہ نہیں - دوسروں کا چراغ بجھا کر اپنا چراغ جلانے میں دنیا میں کوئی بھی کامیاب نہیں ہوا ہے - ڈاکٹر صاحب کی پوزیشن تو اس سے بہت سوا ہے - ان کا کام تو عقابوں کے نشیمن پر کمندیں ڈالنا ہے ' نہ کہ گرے ہوئے پرندوں پر ٹھونگیں مارنا - یہ ان کے رتبہ سے بہت فروتر کام ہے - ان کی آواز تو مکّہ و مدینہ میں گونج رہی ہے ------ اور اب تو ساتوں سمندر پار اقصائے عالم میں ہر سُو پھیل چکی ہے - ان کے سوچنے کا انداز عالمی ہے '

نہ کہ مقامی - وہ اپنی اَن تھک کوششوں سے تحریکِ اسلامی کے قافلے کو ایک آفاقیت کا روپ دے چکے ہیں - دوسری طرف مولانا مرحوم کا اپنا ایک مقام ہے جس کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا - وہ ایک فکر کے حامل تھے - انہوں نے ایک تحریک چلائی' ایک کارواں تیار کیا اور آگے چل پڑے - وہ اپنا کام پورا کر کے مالکِ حقیقی کے پاس پہنچ گئے - اب ہم ان کے کاموں میں کیڑے ڈالنے کے لئے نہیں' بلکہ ان کے چھوڑے ہوئے کام کو آگے بڑھانے کے لئے آگے بڑھے ہیں - اگر ان کی چلائی ہوئی تحریک بقول ڈاکٹر صاحب کے اب گم کردہ راہ ہوگئی ہے تو آپ اس راہ پر گامزن ہو کر اسے مہمیز لگائیں - وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا - وہ کب فرصت دیتا ہے کہ آپ پیچھے مڑ کر دیکھیں' پلٹ پلٹ کر ماضی میں گم رہیں - ایک بار ماچھی گوٹھ کے اجتماع میں تجزیہ کر کے ڈاکٹر صاحب نے اپنا فرض پورا کر دیا - اب بار بار نشتر زنی کرنے سے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا - وہ اپنا وقت ضائع کریں گے اور دوسروں کے منہ کے مزوں کو کڑوا اور کسیلا کر دیں گے ....

شیطان تو چاہتا ہی یہ ہے کہ وہ اس طرح حق کی راہ کھوٹی کر کے حق کے شہ سواروں کو آپس ہی کی چشمک زنی میں الجھا دے' تاکہ اپنے حیرت بداماں رہیں' غیر تماشا دیکھتے رہیں اور وہ پوری بازی جیت کر یا الٹ کر چلتا بنے"-

صدّیقی صاحب کی نصیحت و فہمائش کے ضمن میں ہمارا موقف کسی حد تک دوسرے خطوط کے سلسلے میں جو گزارشات پیش کی جا چکی ہیں اُن میں بیان ہو چکا ہے' تاہم تین نکات کی جانب مزید توجہ منعطف کرانی ضروری ہے -

ایک یہ کہ مستقبل کے مؤرخ پر آسمان سے وحی تو ہرگز نازل نہیں ہوگی اور اگر اُسے اپنی تحقیق و تفتیش کے لئے ضروری مواد حاصل نہ ہو سکا تو وہ صحیح فیصلے تک کیسے پہنچے گا؟ ادھر ۵۷-۱۹۵۶ء کے حوادث و واقعات سے متعلق ریکارڈ کو جماعت اسلامی نے ایسے دفن کیا ہے کہ ایک طرف اُس رپورٹ کو صفحۂ ہستی سے نابود کر دیا جو جماعت کی مرکزی مجلس شورٰی کی نامزد کردہ جائزہ کمیٹی نے ایک سال کی محنت و مشقّت سے تیار کی تھی جس پر جائزہ کمیٹی کے ارکان کی توانائیوں اور اوقات کے صرفِ کثیر کے علاوہ جماعت اسلامی کے بیت المال کا بھی زرِ کثیر صرف ہوا ہوگا - پھر ماچھی گوٹھ کی اختلافی تقاریر کو نسیًا منسیًا کرنے کے لئے جماعت کی رودادوں کی اشاعت کا سلسلہ ہی ختم کر دیا گیا - حد یہ ہے کہ خود مولانا مودودی

مرحوم نے تحریک اسلامی کی قیادت اور امارت کے سلسلے میں اپنے ذہن کو جس تقریر میں کھول کر بیان کیا تھا اسے بھی ایسے غائب کیا کہ میں سالہا سال کی تلاش کے باوجود اس تک رسائی حاصل نہ کر سکا ------ اور وہ سامنے آئی بھی تو ایک خالص خدائی تدبیر' اور ایک مخلص اور پُرجوش لیکن ناسمجھ کارکن کی 'غلطی' کے نتیجے میں!

راقم کے بارے میں صدیقی صاحب کا یہ فرمانا کہ میرا کام تاریخ نگاری نہیں صد فی صد درست ہے' (اگرچہ مجھ ایسے ناچیز اور نااہل کے لئے "تاریخ سازی" کے لفظ کا استعمال محض اُن کے حسنِ ظن کا مظہر ہے!) خود راقم نے بھی اگر 'نقض غزل' کے ضمن میں "تاریخ کا حق ادا کرنے" کا ذکر کیا ہے تو ثانوی اعتبار سے ------ راقم کو اصل تشویش اس امر کی لاحق تھی کہ ان حوادث کے اصل اسباب کے متعین نہ ہونے کا نہایت مُضر نتیجہ یہ نکل سکتا ہے (جو بالفعل بہت سے لوگوں کے رویّہ میں ظاہر ہو بھی چکا ہے) کہ نہ صرف یہ کہ تحریک اسلامی کے اصول و مبادی اور اساسی نظریات کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہو جائیں بلکہ اقامتِ دین کی جدوجہد ہی کی جانب سے مایوسی اور بددلی پیدا ہو جائے!- جبکہ اس کے برعکس اگر متعیّن کر دیا جائے کہ غلطی کیا اور کب ہوئی تو باقی سارے اصول و مبادی اور کُل صغریٰ کبریٰ شکوک و شبہات کی زد میں آنے سے بچ جاتے ہیں! وھُوَ المطلوب!!

دوسرے یہ کہ صدیقی صاحب غور فرمائیں کہ کیا دنیا میں کبھی کوئی مثبت کام تنقید کا ناگزیر مگر ناخوشگوار فریضہ سرانجام دیئے بغیر ہوا ہے؟ ------ گویا کیا قرآنی اصطلاح میں "احقاقِ حق" اور "ابطالِ باطل" لازم و ملزوم نہیں ہیں؟ کیا قرآن میں پہلے مشرکین اور پھر اہل کتاب اور منافقین پر شدید تنقید بلاضرورت کی گئی ہے؟ کیا خود مولانا مودودی مرحوم نے کانگریس کے ہم نوا علماء پر شدید تنقید نہیں کی تھی؟ درآنحالیکہ ان کی دینی تعلیم و تربیت اُن ہی کے حلقے میں ہوئی تھی اور انہوں نے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز بھی جمعیت علماء ہند کے جریدے "الجمعیّت" کے حلقۂ ادارت سے وابستگی ہی کے ذریعے کیا تھا- پھر کیا انہوں نے متحدہ قومیت کے خلاف مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کے مؤثر اور مدلل اثبات کے باوجود "مسلم قوم پرستی" کو اُسی طرح کافر قرار دے کر اُس پر اسی شدت سے سنگ باری نہ کی تھی جیسی کہ علامہ اقبال مرحوم نے 'وطنیّت' کے بت پر کی تھی (ان تازہ خداؤں

میں بڑا سب سے وطن ہے - جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے!) قصہ مختصر عالمِ واقعہ میں "صرف مثبت" کام کی کوئی مثال ہو تو ضرور پیش کریں -

صدیقی صاحب اور ان کے ہم خیال لوگ ذرا غور فرمائیں تو یہ حقیقت بالکل واضح اور مبرہن نظر آئے گی کہ محض مثبت کام تو صرف انفرادی نیکی اور پارسائی کے ضمن میں ہو سکتا ہے ------ اس سے بڑھ کر آپ دعوتِ حق اور تبلیغ دین کی بات کریں گے ' تو کم از کم پاک و ہند کے ماحول میں یا تو آپ کو تبلیغی جماعت میں شامل ہونا ہو گا ورنہ اس سے اپنے نظری اور عملی فرق و امتیاز کو واضح کرنا ہو گا - اسی طرح اگر آپ یہاں اقامت دین اور غلبۂ دین حق کی بات کریں گے تو بھی دو ہی صورتیں ممکن ہیں یعنی یا آپ جماعت اسلامی میں شامل ہو جائیں! ورنہ پھر اس سے اپنے اختلاف کو پوری وضاحت اور شدّ و مدّ کے ساتھ بیان کریں! ------ اور اگر کسی نیک اور مرنجان مرنج آدمی کو یہ 'منفی' کام برا لگے تو اس کے لئے واحد راہ یہ ہے کہ دعوت و اقامت دین کی جدوجہد سے کنارہ کش ہو کر اوّل تو کلیتہً نفرادی نیکی اور پارسائی کے دامن میں پناہ لے لے ------ ورنہ زیادہ سے زیادہ کسی علمی مشغلے یا محض تعلیمی و تدریسی خدمت میں مصروف ہو جائے ' ------ اور راقم کا اصل 'جرم' یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس پر مطمئن نہیں کر سکا - اس لئے کہ سرسید احمد خان مرحوم کے الفاظ "قرآنے کہ من دارم" کے مصداق میں جس قرآن سے واقف ہوں وہ تو شہادت علی الناس کو امتِ مسلمہ کا اجتماعی فریضہ ' اقامت دین کی جدوجہد کو فرضِ عین ' اور ان دونوں فرائض کی ادائیگی کے لئے جہاد فی سبیل اللہ کو ایمان حقیقی کا رکنِ لازم قرار دیتا ہے ' لہٰذا ہمارے لئے تو صورت وہی ہے کہ ؎

"جزدار اگر کوئی مفر ہو تو بتاؤ - ناچار گنہگار سوئے دار چلے ہیں!"

تیسرے یہ کہ صدّیقی صاحب ماچھی گوٹھ میں پیش کردہ "تجزیئے" کو کسی حد تک مناسب اور ضروری قرار دے رہے ہیں لیکن اول تو فی الواقع اسے ماچھی گوٹھ میں پیش ہونے ہی نہیں دیا گیا ' ------ پھر اُسے اُس وقت اِس سے بھی زیادہ ناپسند قرار دیا گیا تھا جیسا کہ آج صدیقی صاحب کو 'نقضِ غزل' ناپسند ہوا ہے ' یہاں تک کہ جب دس سال بعد اس کی اشاعت ہوئی تو راقم کے ایک نہایت قریبی اور مخلص دوست ' پرائمری کے زمانے سے کلاس فیلو ' یکے از مؤسسینِ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور اور انجمن کے نمایاں

اور مستقل معاون نے اسے سخت ناپسند کیا تھا۔ اور باصرار یہ پیشکش کی تھی کہ "پوری کتاب مَیں یکمشت خرید لیتا ہوں گویا تمہاری کُل لاگت مع نفع کے تمہیں مل جائے گی۔ لیکن خدارا اِس کتاب کو عام نہ کرو!!" پھر جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے' اس کے ذریعے مقدّمے کا صرف ایک حصّہ سامنے آیا تھا ——— یعنی یہ کہ میرا جماعت کی موجودہ پالیسی سے اختلاف کیا ہے؟ ——— مقدمے کا دوسرا اور اہم تر حصّہ یعنی یہ کہ میں نے جماعت سے علیحدگی کیوں اختیار کی؟ ابھی تک پردۂ خفا میں تھا۔ اس کا کوئی ذکر "تحریکِ جماعت اسلامی" میں موجود نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ تو جماعت کی رکنیت سے مستعفی ہونے سے چھ ماہ قبل ضبط تحریر میں آئی تھی ——— اور جیسے کہ اس تحریر کے بالکل آغاز میں بیان ہو چکا ہے اس سوال کے تشفّی بخش جواب کے لئے 'نقضِ غزل' کی اشاعت ناگزیر تھی۔

رہا جماعت اسلامی کے ساتھ اتّحاد و اتّفاق یا کم از کم تعاون و تناصُر کی فضا پیدا کرنے کا معاملہ جس کی خواہش مختلف گوشوں سے اس سے قبل بھی سامنے آتی رہی ہے' اور اِن دنوں کچھ زیادہ ہی شدّومدّ کی صورت اختیار کر گئی ہے تو واقعہ یہ ہے کہ شاید پوری دنیا میں اس کا راقم الحروف سے بڑھ کر خواہش مند کوئی نہ ہو۔ لہٰذا جب بات چل ہی نکلی ہے تو مناسب ہے کہ اس معاملے سے متعلق بعض حقائق و واقعات بھی اپنے بہی خواہوں کے سامنے رکھ دیئے جائیں۔

جہاں تک اِتّحاد اور ادغام کا تعلق ہے اگرچہ وہ بظاہرِ احوال ع "حلول و اتّحاد ایں جا محال است!" کا مصداقِ کامل نظر آتا ہے لیکن میری یہ پیشکش تمام واقفانِ حال کے علم میں ہے (اور کئی سال سے ہے!) کہ اگر جماعت انتخابی سیاست کے میدان سے کنارہ کشی اختیار کر لے تو مَیں اور میرے رفقاء فوراً جماعت میں شامل ہو جائیں گے۔ اس میں مَیں یہ تخفیفِ مزید کئے دیتا ہوں کہ ——— اگر جماعت کو انتخابات سے ہمیشہ کے لئے کنارہ کشی بہت شاق محسوس ہو' اور گویا کہ اِس کے مترادف نظر آئے کہ جماعت اپنی چالیس سالہ پالیسی کے غلط ہونے کا اقرار کر لے ——— تو میں اُس تجویز کو قبول کرنے کے لئے بھی تیار ہوں جو حال ہی میں ڈاکٹر محمد امین صاحب (جنہیں جماعت سے خارج کر دیا گیا) نے پیش کی

ہے یعنی یہ کہ جماعت آئندہ پچیس سال کے لئے ہی یہ طے کر لے کہ وہ ملکی انتخابات میں حصہ نہیں لے گی - البتہ اس صورت میں جماعت کے تنظیمی ڈھانچے میں ایسی تبدیلی لانی ضروری ہوگی جس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ اظہار رائے پر کوئی قدغن نہ رہے اور اختلاف رائے کے راستے (Channels) معیّن صورت میں کھول دیئے جائیں بلکہ اختلافی آراء کے پنپنے اور پروان چڑھنے کے امکانات بھی موجود ہوں - (اس ضمن میں قارئین اگر اس نظام العمل کا مطالعہ کریں جو ہم نے تنظیم اسلامی کے لئے اختیار کیا ہے تو اندازہ ہو جائے گا کہ ہم نے بیعت کے نظام میں بھی اِن دونوں باتوں کا کس قدر اہتمام کیا ہے - یہ نظام العمل مئی ۹۰ء کے 'میثاق' میں شائع کیا جا چکا ہے) ——— اور اگرچہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ اِس شرط کا پورا ہونا اللہ کی قدرت سے بعید نہ ہوتے ہوئے بھی 'موجودہ حالات میں کم از کم بظاہر احوال ناممکنات میں شامل ہے' تاہم ہماری پیشکش قائم ہے!

ع "کہ عقاب را بلند است آشیانہ!" کے مصداق اس مقام سے نیچے اتر کر جہاں تک باہمی تعاون کا تعلق ہے 'ہم اس کے لئے بھی ہمیشہ تیار رہے ہیں اور ریکارڈ پر ایسے متعدّد واقعات موجود ہیں کہ اس ضمن میں ہماری بار بار کی پیشکشوں کو سختی کے ساتھ ردّ کیا گیا - مثلاً :

۱- ۱۹۷۳ء میں مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور کی سالانہ قرآن کانفرنسوں کا سلسلہ شروع ہوا تو راقم خود چل کر نعیم صدیقی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں اس میں شرکت کی دعوت دی - انہوں نے فرمایا کہ آپ کے ساتھ تو ہمارا شدید اختلاف ہے - میں نے عرض کیا کہ کیا خان عبد الولی خان صاحب سے آپ کا کامل اتفاق ہے؟ پھر اگر آپ سیاسی پلیٹ فارم پر ولی خاں اور اصغر خاں کے ساتھ بیٹھ سکتے ہیں تو قرآنی پلیٹ فارم پر میرے ساتھ کیوں تشریف نہیں رکھ سکتے؟ - انہوں نے فرمایا کہ میں جانتا تھا کہ آپ یہ دلیل دیں گے ——— تاہم آپ کی کانفرنس میں میری شرکت ناممکن ہے! ——— اس کے بعد بھی مسلسل دو سال تک راقم دعوت نامہ ارسال کرتا رہا ——— اور اس کا سلسلہ اُس وقت بند کیا جب اُن کی جانب سے ایک تلخ خط موصول ہوا کہ جب ہم نے آپ کو واضح طور پر بتا دیا ہے کہ ہم شرکت نہیں کر سکتے تو آپ خواہ مخواہ ہمیں دعوت نامے کیوں ارسال کرتے ہیں!

۲- اسی طرح کی ایک دعوت تنظیم اسلامی کی ایک تربیت گاہ کے سلسلے میں جناب اسعد گیلانی صاحب کو دی گئی تو انہوں نے فی الفور آمادگی ظاہر فرمادی ------ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وقت کے امیرِ جماعت نے انہیں منع فرمادیا!!

۳- ۸۲ء میں جماعت اسلامی نے تعلیمِ قرآن کانفرنس منعقد کی اور اس میں میاں طفیل محمد صاحب نے دعوتِ عام دی کہ "ہمیں قرآن کی بنیاد پر جمع ہو جانا چاہئے" تو راقم نے فوری طور پر پیشکش کی کہ اگر آپ کے سامنے اشتراکِ عمل اور تعاونِ باہمی کا کوئی پروگرام ہے تو واضح فرمائیں اس کے لئے سب سے پہلے میں اور میری تنظیم لبّیک کہتی ہے۔ جس کے جواب میں مشترکہ لائحہ عمل اور اس کے حدود و خطوط معیّن کرنے کی بجائے گول مول نصیحت کے ساتھ ہمارے دستِ تعاون کو جھٹک دیا گیا (اس سلسلے میں جو خط راقم نے لکھا تھا اور اس کا جو جواب میاں صاحب کی جانب سے موصول ہوا' دونوں شاملِ اشاعت کئے جا رہے ہیں!)

۴- اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کے سالانہ اجتماعات کئی سال سے پنجاب یونیورسٹی کے نئے کیمپس میں منعقد ہوتے ہیں اور اُن میں جماعتِ اسلامی کے زعماء کے علاوہ دیگر علماء یا دانشور حضرات کو بھی دعوتِ خطاب دی جاتی ہے' لیکن اس کے باوجود کہ راقم کیمپس کا قریب ترین پڑوسی بھی ہے ------ اور جمعیت کا سابق ناظم اعلیٰ بھی' آج تک اُسے ان اجتماعات میں شرکت کی دعوت نہیں دی گئی۔

جمعیت کے اس طرزِ عمل کے مقابلے میں راقم الحروف کی روش ہمیشہ یہ رہی کہ جب بھی کسی کالج میں منعقد ہونے والی کسی محدود تقریب میں دعوتِ خطاب دی گئی سر کے بل حاضر ہوتا رہا ------ اور کبھی اسے اپنی 'انا' یا Prestige کا مسئلہ نہیں بنایا کہ جب آپ اپنے بڑے اجتماعات میں مجھے مدعو نہیں کرتے تو میں ان چھوٹے چھوٹے اجتماعات میں کیوں آؤں؟ ------

۵- یہی معاملہ حال ہی میں لاہور میں پیش آیا کہ جب مرکز کے اہتمام میں ایک 'عظیم الشان' بین الاقوامی کشمیر کانفرنس 'الحمراء' میں منعقد کی گئی تو اس میں شرکت کی دعوت مجھے نہیں دی گئی ------ اس کے باوجود جب لاہور کی جماعت نے "ہفتۂ انسدادِ منکرات" کے سلسلے میں ایک سیمینار جناح ہال میں منعقد کیا اور اس میں مجھے بلایا تو میں بلا

چُون و چرا حاضر ہو گیا------ (وہاں جو تقریر راقم نے کی تھی وہ اگرچہ ہفت روزہ 'ندا' میں شائع ہو چکی ہے' تاہم چونکہ 'میثاق' کا حلقۂ قارئین اس سے وسیع تر ہے لہٰذا اِسے اس اشاعت میں بھی شامل کیا جا رہا ہے۔)---

۶- ستم بالائے ستم یہ کہ جماعت کا جو کُل پاکستان اجتماع چند ماہ پیشتر مینارِ پاکستان کے سائے میں منعقد ہوا تھا اس کے بارے میں جماعت کے بعض قریبی لوگوں سے معلوم ہوا کہ یہ مشہور کیا گیا ہے کہ "انہیں (یعنی راقم کو) بھی دعوتِ خطاب دی گئی تھی لیکن وہ خود ہی نہیں آئے------ اور اُن سے اپنا سٹال لگانے کو بھی کہا گیا تھا لیکن انہوں نے خود نہیں لگایا!"------ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ میرے نام صرف وہ دعوت نامہ موصول ہوا تھا جو عام سامعین کو رسماً بھیجا جاتا ہے------ اس میں کسی تقریر یا خطاب کا کوئی ذکر تک نہ تھا- اور سٹال کے ضمن میں جب ہم نے خود رابطہ کیا تھا تو بتایا گیا تھا کہ ساری جگہ پہلے ہی الاٹ ہو چکی ہے اور اب کسی سٹال کی گنجائش باقی نہیں رہی-

اب محبّین اور مخلصین خود غور فرمائیں کہ کمی ہماری جانب سے ہے یا دوسری جانب سے!

اور جب بات اس حد تک پہنچ ہی گئی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے 'تکملہ' کے طور پر چند اور باتیں بھی' طوالت کے خوف کے باوجود گوش گزار کر دی جائیں-

راقم الحروف اپنی دعوت اور تحریک کے اعتبار سے مولانا مودودی مرحوم اور جماعتِ اسلامی کو اپنے معنوی 'والدین' سمجھتا ہے- چنانچہ راقم نے بارہا صراحتہً عرض کیا ہے اپنی دانست میں راقم جس تحریک اور دعوت کے تسلسل کو قائم رکھنے کی کوشش کر رہا ہے اُس کی اس بیسویں صدی عیسوی میں پہلی کڑی کی حیثیت حاصل ہے مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم اور ان کی حزب اللہ کو' اور دوسری کڑی کی حیثیت رکھتے ہیں ان کے معنوی جانشین مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم اور ان کی قائم کردہ جماعت اسلامی------ اگرچہ میری تحریک کا سلسلۂ نسب مولانا آزاد مرحوم کی زندگی کے بھی صرف آٹھ سالوں سے جُڑتا ہے یعنی ۱۹۱۲ء تا ۱۹۲۰ء اور مولانا مودودی مرحوم کی تحریک کے بھی صرف آٹھ ہی سالوں سے متعلق ہے یعنی ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۷ء------ اسی طرح جماعت اسلامی کے بارے میں ۱۹۶۶ء

کی تحریر کا یہ اقتباس تو اسی تحریر میں آچکا ہے کہ جیسے ایک بچہ سب کچھ اپنی ماں سے سیکھتا ہے اسی طرح میں نے اکابرینِ جماعت سے دیکھنا' سننا' سوچنا اور بولنا سیکھا ہے۔ اس کے علاوہ میں نے اپنے ان ہی جذبات کے اظہار کے لئے ایک موقع پر علامہ اقبال مرحوم کی مشہور نظم "والدہ مرحومہ کی یاد میں" کے اس شعر کو ذریعہ بنایا تھا کہ۔

تخم جس کا تو ہماری کشتِ جاں میں بو گئی
شرکتِ غم سے وہ الفت اور محکم ہوگئی!

جس پر بعض احباب بالخصوص مکّہ مکرّمہ سے زبیر عمر صدیقی صاحب کا بڑا جذباتی ردِّ عمل موصول ہوا تھا۔

تاہم از روئے قرآن والدین کا حق ادب و احترام اور حسنِ سلوک اور مصاحبتِ معروف ہی کا ہے' ان کی اطاعت یا اتباع ہر حال میں لازم نہیں' (سورۂ بنی اسرائیل آیات ۲۳ تا ۲۵' سورۂ عنکبوت آیت ۸' اور سورۂ لقمان آیات ۱۴' ۱۵) چنانچہ کسی معاملے کی نوعیت کی مناسبت سے اُن سے اختلاف بھی کیا جاسکتا ہے' اور حکم عدولی بھی کی جاسکتی ہے' اور عدل و انصاف کی بات اُن کے خلاف پڑ رہی ہو تو بھی ڈنکے کی چوٹ کہنا ضروری ہے (سورۂ نساء آیت ۱۳۵) ——— چنانچہ میں نے مولانا مودودی مرحوم کے دینی فکر میں جو کمی نظر آئی اس کی بھرپور نشان دہی کی' ("اسلام کی نشاۃِ ثانیہ" کرنے کا اصل کام" نامی کتابچے میں "تعبیر کی کوتاہی" کے عنوان سے بحث' اور "عظمتِ صوم" نامی تحریر میں "اسلام کا روحانی نظام" کے موضوع پر مولانا مرحوم کے نظریئے کی نفی) اِسی طرح قیام پاکستان کے بعد کی مجموعی پالیسی میں جو کجی نظر آئی اس پر بھی مبسوط مقالہ لکھا ("تحریک جماعتِ اسلامی: ایک تحقیقی جائزہ") ——— پھر ۵۷-۵۶ء کے نُحرانی دَور کے جو اقدامات تباہ کُن محسوس ہوئے اُن پر بھی گرفت کی' "خلافت و ملوکیت" نامی کتاب میں بعض نہایت جلیل القدر صحابہؓ پر جو جارحانہ تنقید وارد ہوئی اُس سے بھی اعلانِ براءت اور اظہارِ بیزاری کیا' اور بالآخر تحریک اور تنظیم کی قیادت و امارت کے تصوّر کے ضمن میں جو غلطی نظر آئی اُس کی بھی نشان دہی کر دی ——— لیکن بحمد اللہ آج تک نہ اُن کی ذات پر کوئی حملہ کیا اور نہ اُن کی نجی اور گھریلو زندگی کو کبھی موضوعِ گفتگو بنایا ——— بلکہ ایک خاص دَور میں مقدّم الذکر امور کے ضمن میں بھی اگر لہجہ تیز اور زبان سخت ہو گئی تھی تو اس پر بھی علیٰ رؤس الاشہاد

معذرت کر لی!

تاہم چونکہ والدین سے خواہ کتنا بھی اختلاف کیوں نہ ہو جائے' رہتے تو وہ والدین ہی ہیں' اور اُن کی احسان مندی کا جذبہ ہر سلیم الفطرت انسان میں بہرحال برقرار رہنا چاہئے' لہٰذا میں نے بھی جماعت سے علیحدگی کے بعد کے تینتیس ۳۳ سالوں میں سے صرف ایک آٹھ سالہ دَور (۱۹۷۲ء تا ۱۹۷۰ء) کے علاوہ نہ اس سے قبل کے پانچ سالوں کے دوران اپنے قلب میں اس جذبہ و احساس کی کوئی کمی محسوس کی' نہ ہی بعد کے بیس سالوں کے دوران اِن میں کمی کا کوئی شائبہ محسوس کیا! فالحمدُ للہِ علیٰ ذالِک!

عجیب اتفاق ہے کہ میرے صُلبی و جسمانی والد شیخ مختار احمد مرحوم کا سنِ پیدائش بھی ۱۹۰۳ء تھا' اور میرے تحریکی و معنوی والد مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم کی ولادت بھی اُسی سال ہوئی تھی ——— پھر وہ دونوں ہی عرصہ ہوا کہ اس دنیا سے رخصت اور "تِلکَ اُمَّۃٌ قَد خَلَت" کے مصداق بن چکے ہیں - جبکہ میری والدہ ماجدہ بھی تاحال بقیدِ حیات ہیں اور میری معنوی ماں جماعتِ اسلامی بھی قائم اور موجود ہے! اور میں جیسے یہ دعا کرتا رہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ والدہ صاحبہ کا سایہ تادیر سلامت رکھے' ایسے ہی قلب کی گہرائیوں سے یہ دعا بھی مسلسل نکلتی رہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جماعت کے اربابِ حلّ و عقد کو توفیق دے کہ وہ حقائق کا صحیح ادراک کرتے ہوئے پوری جرأتِ رندانہ کے ساتھ اپنے سابقہ طریقِ کار کی طرف مراجعت کر لیں - تاکہ ع "آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک!" کی صورت پیدا ہو جائے ———

"وَمَا ذَالِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیز!!" لہٰذا "اِنَّمَا اَشکُوْا بَثِّیْ وَ حُزْنِیْ اِلَی اللّٰہِ!!"

الغرض ——— یہ ہیں مولانا مودودی مرحوم اور جماعت اسلامی کے بارے میں میرے قلبی احساسات و جذبات جن کے اظہار میں مجھے ہرگز کوئی باک نہیں' خواہ اسے کوئی ارشاد احمد علوی یا اُن کے ہم خیال جماعت کی خوشامد ع "میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب!" کا مصداق قرار دیں' خواہ کوئی صفدر میر یا اُن کے ہم نوا ——— "Kowtowing Before The Jamaat" سے تعبیر کریں' ———

تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ میں جملہ اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر مولانا مودودی کی ہر بات سے متفق ہونے کا اعلان کر دوں' یا اُن کے ہر اقدام کو درست قرار دے

دوں' یا اُن کو معاذ اللہ تنقید سے بالاتر سمجھنے لگوں۔ اُن سے میرے علمی اختلافات بے شمار ہیں' یہاں تک کہ اُن کے بعض نظریات و خیالات کو میں گمراہی سے تعبیر کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتا!

مزید برآں جس طرح والدین معناً ایک وحدت ہوتے ہوئے بھی اپنا اپنا جداگانہ مقام رکھتے ہیں چنانچہ حدیثِ نبویؐ کی رُو سے والدہ کا حق والد پر تین درجہ فائق ہے' اسی طرح مولانا مودودی اور جماعتِ اسلامی خواہ ایک اعتبار سے ایک حیاتیاتی اکائی اور وحدت ہوں اپنی اپنی جداگانہ حیثیت بھی رکھتے ہیں ------ بالخصوص اب جبکہ مولانا مودودی مرحوم کی وفات پر دس سال سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا ہے اُن کے علمی نظریات اور ذاتی خیالات کا کوئی لازمی تعلّق جماعتِ اسلامی کے ساتھ نہیں ہے (چنانچہ اصولاً تو اس کا واضح فیصلہ اور برملا اعلان بھی ۱۹۵۶ء ہی میں کر دیا گیا تھا!) ------ لہٰذا واقعہ یہ ہے کہ "جماعتِ اسلامی" سے میرا اختلاف صرف "طریقِ کار" کا ہے ------ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ جماعت کے تمام سوچنے سمجھنے والے لوگ "وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ" (النمل:۱۴) کے مصداق خواہ برملا تسلیم کرنے میں جھجک محسوس کرتے ہوں' دل سے قائل ہو چکے ہیں کہ انتخابات کے ذریعے اقامتِ دین کی منزل کی جانب کوئی پیش قدمی ممکن نہیں ہے!! (بلکہ سننے میں آیا ہے کہ جماعت کے موجودہ امیر قاضی حسین احمد صاحب نے تو بعض اجتماعات میں اس کا برملا اعلان بھی کر دیا ہے ------ اگرچہ 'اگر ہماری اطلاعات صحیح ہیں تو' اس کے متبادل کے طور پر جس راستے کی وہ نشان دہی کر رہے ہیں وہ ایک خطرناک داؤ کے مترادف ہے!! ------ جس کے ضمن میں نُصح و اخلاص کا حق راقم نے اپنی اس تقریر کے بین السّطور میں ادا کر دیا ہے جو جماعت کے حالیہ سیمینار میں ہوئی تھی اور اس پرچے میں بھی شائع کی جا رہی ہے!)

'میثاق' کا یہ شمارہ بھی جنوری اور مارچ کے شماروں کے مانند "نقضِ غزل" ہی کے سلسلے کی کڑی بن گیا ہے ------ اگرچہ یہ کڑی آخری ہے اور آئندہ ان صفحات میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں آئے گا۔ بلکہ "نقضِ غزل" کو کتابی صورت میں شائع کر دیا جائے گا۔ تاہم "نقضِ غزل" کے اس تکملہ کے ساتھ بطور ضمیمہ راقم کا جماعت کی رکنیت سے

'استعفاء' شائع کیا جا رہا ہے جو ۲۶ر اپریل ۵۷ء مطابق ۲۹ر رمضان المبارک ۷۶ ۱۳ھ کو بحالتِ صوم و اعتکاف لکھا گیا تھا جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ آج سے ثلث صدی قبل جب راقم نے جماعت سے علیحدگی اختیار کی تھی تو اُس وقت اُس کے جذبات و احساسات کیا تھے! ——— اور یہ کہ اگر میں یہ کہتا رہا کہ ؎

تخم جس کا تو ہماری کشتِ جاں میں بو گئی
شرکتِ غم سے یہ الفت اور محکم ہو گئی

اور عملاً اس شعر کی تصویر بنا رہا کہ ؎

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا!

تو "وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ" کے مصداق اس میں نہ کوئی تصنّع ہے نہ تکلّف ——— بلکہ یہ میرے فکر و نظر کی حقیقی ترجمانی اور میرے جذبہ و احساس کا واقعی انعکاس ہے! ——— ع
" کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے!"

اعتذار

'میثاق' کے پچھلے شمارے میں ادارے کی جانب سے دو مضامین کے بارے میں یہ اعلان شامل تھا کہ جون کے شمارے میں انہیں شائع کرنے کی کوشش کی جائے گی: ایک 'نقضِ غزل' کے ردِّ عمل میں موصول ہونے والے خطوط اور ان کے جواب میں امیرِ تنظیم اسلامی کی توضیحات کا اور دوسرے 'پاکستان کا مستقبل: روشن یا تاریک' کے عنوان سے امیرِ تنظیم اسلامی کے مفصل خطاب کا ——— الحمدللہ کہ اوّل الذکر مضمون حسبِ وعدہ زیرِ نظر شمارے میں شامل ہے اور اس کی حیثیت 'نقضِ غزل' کے تکملے کی ہے۔ تاہم مؤخر الذکر کے لیے ہم قارئین سے معذرت خواہ ہیں کہ 'میثاق' کی تنگ دامانی بیک وقت ان دونوں انتہائی مفصل مضامین کی متحمل نہ ہو سکتی تھی۔ (ادارہ)

نام بھی اچھا — کام بھی اچھا
صوفی سوپ ہے سب سے اچھا

صوفی سوپ

اُجلی اور کم خرچ دُھلائی کے لیے بہترین صابن

صوفی سوپ اینڈ کیمیکل انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
تار: صوفی سوپ ٹیلکس:
۳۹۔ فلیمنگ روڈ۔ لاہور۔ ٹیلی فون نمبر: ۲۲۵۴۴۷ - ۵۴۵۲۳

الہدیٰ قسط ۶۵

مباحث جہاد فی سبیل اللہ
درس ۲

جہاد فی سبیل اللہ کی غایتِ اولیٰ

شہادت علی النّاس

سورۃ الحج کے آخری رکوع کی روشنی میں

(۲)

نبوّت و رسالت سے متعلق ایک اہم حقیقت کا بیان

بسم اللہ اولہ و آخرہ : سورۃ الحج کے آخری رکوع کے جزو اوّل کی تیسری آیت میں نبوّت و رسالت سے متعلق ایک نہایت اہم حقیقت کی جانب توجہ دلائی گئی ہے۔ فرمایا : " اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ " لفظ اِصطفیٰ 'صفی' سے بنا ہے۔ اس کے معنی ہیں چن لینا، پسند کر لینا، 'TO CHOOSE' 'اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ' کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ چن لیتا ہے پسند فرما لیتا ہے۔ آگے چلئے ! رُسُل جمع ہے رسول کی۔ اور 'اَرْسَلَ۔ یُرْسِلُ۔ اِرْسَالاً' کے معنی ہیں بھیجنا۔ تو رسول کے معنی ہوئے بھیجا ہوا' فرستادہ' پیغامبر' سفیر' ایلچی ___ پوری آیت کا ترجمہ یوں ہوگا " اللہ چن لیتا ہے فرشتوں میں سے بھی اپنے پیغامبر اور انسانوں میں سے بھی ! " یہ درحقیقت سلسلۂ رسالت یا سلسلۂ وحی کی دو کڑیاں ہیں کہ جن کو یہاں بہت واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

نبوت و رسالت کی اصل غرض و غایت

ذہن میں تازہ کر لیجئے کہ نبوّت و رسالت یا وحی کی اصل غرض و غایت کیا ہے ! یہی کہ نوعِ انسانی تک اللہ کا پیغامِ ہدایت پہنچ جائے۔ انسان روزِ قیامت یہ نہ کہہ سکے : اے اللہ

ہمیں معلوم نہیں تھا کہ تو چاہتا کیا ہے ؟ تجھے کیا پسند ہے اور کیا ناپسند ہے ؟ ان کی اس دلیل کو ختم کرنے اور اللہ کی طرف سے حجت قائم کرنے کے لیے رسول بھیجے گئے اور وحی و رسالت کا سلسلہ جاری فرمایا گیا۔ اس ضمن میں یہ دو الفاظ اپنے ذہن میں ٹانک لیجیے : قطع عذر اور اتمام حجت۔ یہ ہے مقصد نبوت کا ، رسالت کا ، وحی کا اور انزال کتب کا۔ اس مضمون کے بیان میں سورۃ النساء کی یہ آیت بہت اہم ہے : " رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ " " رسولوں کو ہم نے بھیجا مبشر اور نذیر بنا کر تاکہ رسولوں کی آمد کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی دلیل باقی نہ رہے۔" اُن کے پاس اپنی غلط روی کے لیے کوئی عذر نہ رہے۔ آپ غور کیجیے کہ ایک طرف اللہ کی ذات وراءُ الوراء ثم وراءُ الوراء ثم وراء الوراء ہے اور اتنی لطیف ہے کہ لفظ ' لطیف ' بھی کسی درجے میں کثافت کا حامل معلوم ہوتا ہے۔ ادھر انسان ہے پستیوں کا مکین ' اسفل سافلین ' ـــــ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ ـــــ چنانچہ اللہ کا پیغام انسانوں تک پہنچانے کے لیے حکمت خداوندی نے یہ طریقہ تجویز فرمایا کہ درمیان میں دو کڑیاں (LINKS) اختیار کی گئیں۔ پہلا لنک پہلی کڑی ہے ' رسولِ ملک ' یعنی فرشتوں میں سے ایک الٰہی اور پیغامبر کا انتخاب عمل میں آیا۔ آپ جانتے ہیں کہ فرشتہ نورانی مخلوق ہے۔ اپنی اس نورانیت کی وجہ سے وہ خدا سے منجملہ ایک قرب رکھتی ہے ' وہ کلام اللہ کی تلقی کرتا ہے اللہ سے۔ وہ پیغام حاصل کرتا ہے اللہ سے اور اسے جا پہنچاتا ہے انسانوں میں سے ایک منتخب مرد کو ' ایک چُنے ہوئے فرد کو جو اخلاق اور سیرت و کردار کے اعتبار سے انسانیت کی معراج پر فائز ہوتا ہے۔ مخلوق ہونے کے اعتبار سے فرشتہ اور انسان دونوں ایک دوسرے سے قرب رکھتے ہیں۔ اور اس بنا پر ان کے مابین ایک اتصال ممکن ہے۔ چنانچہ رسولِ ملک نے وہ پیغام اللہ سے حاصل کر کے رسولِ بشر تک پہنچایا اور اب رسولِ بشر کی یہ ذمہ داری ہوئی کہ وہ پہنچائے اس پیغام کو اپنے ابنائے نوع تک۔ اس کا پہنچانا قولاً بھی ہوگا ' عملاً بھی ہوگا۔ وہ زبان سے بھی اس پیغام کو لوگوں تک پہنچائے گا ' انہیں اس کے قبول کرنے کی دعوت دے گا اور عمل سے اس کا ایک نمونہ بھی پیش کر کے حجت قائم کر دے گا۔ یہ دعوت اور یہ پیغام محض کوئی نظری یا خیالی (THEORETICAL) شے نہیں ہے ' یہ کوئی ناقابل عمل پیغام نہیں ہے بلکہ اس کا ایک عملی نمونہ بھی موجود ہے۔ اسی لیے قرآن مجید اس نکتے پر خصوصی زور دیتا ہے کہ " لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ " ان کی پوری

شخصیت نوعِ انسانی کے لئے ایک اُسوہ اور نمونہ بن جائے کہ اپنے تمام بشری تقاضوں کے باوصف وہ وحیِ الٰہی کی اس تعلیم پر عمل کر کے دکھادے اور اس کا ایک عملی نمونہ پیش کر دے۔ تاکہ لوگوں کے پاس اپنی بے عملی اور غلط روی کے لیے کوئی دلیل اور کوئی عذر باقی نہ رہے۔ یہ ہے نبوت و رسالت کی اصل غرض و غایت!

ایمان بالملائکہ کی خصوصی اہمیت

اس آیت کے حوالے سے یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ ایمان بالملائکہ کی اہمیت کیا ہے! ورنہ بظاہر تو اس بات پر ایک تعجب سا ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ایمان بالملائکہ پر اس قدر زور کیوں دیا گیا ہے۔ آیۂ بر میں جو ہمارے اس منتخب نصاب کا دوسرا سبق تھا، ملائکہ پر ایمان کا ذکر موجود تھا۔: " وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ " اسی طرح حدیثِ جبریل کو ذہن میں لائیے۔ جب حضرت جبریلؑ نے حضورؐ سے سوال کیا کہ " اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِيْمَانِ " تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے جواب یہی دیا گیا کہ " اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ..... اِلَى الْاٰخِرِ " معلوم ہوا کہ ایمان بالملائکہ کی بڑی اہمیت ہے۔ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ اس کے بغیر وحی کی توجیہ ممکن نہیں ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس معاملے میں بہت بڑی ٹھوکر کھائی ہے کچھ فلاسفۂ قدیم نے اور انہی کے اتباع میں بہت سے دانشورانِ جدید نے بھی۔ اس دور میں سرسید احمد خاں کو اس طبقۂ فکر کا سب سے بڑا نمائندہ قرار دیا جا سکتا ہے جنہوں نے ملائکہ کے وجود کا صریح انکار کیا کہ ملائکہ کا کوئی صاحبِ شخص وجود نہیں ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر وحی کی توجیہ کیا ہے۔! بالآخر انہیں کہنا پڑا کہ وحی کا چشمہ تو قلبِ نبیؐ سے ہی پھوٹتا ہے۔ وحی کو نبی تک لانے والی خارج میں کوئی ہستی موجود نہیں ہے۔ وحی کو لانے والے خارجی عنصر کے اس انکارِ مطلق کا نتیجہ یہ ہوا کہ وحی کا مسئلہ ایک چیستان بن گیا۔ وحی کی اصل حقیقت پھر کیا ہے؟ سرسید احمد خاں نے ایک شعر میں اپنے اس گمراہ کن خیال کو بڑے شدّومد کے ساتھ پیش کیا ہے ؎

زجبریل ایں قرآں بہ پیغامے نمی خواہم
ہمہ گفتارِ معشوق است قرآنے کہ من دارم

اگرچہ مصرعِ ثانی میں معشوق کا لفظ دو معنی دے رہا ہے؛ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ

معشوق سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ معشوق سے ان کی مراد ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ بہرحال حضرت جبرئیل کو انہوں نے یوں کہا جا سکتا ہے کہ کبیک بینی و دو گوش اس معاملے سے نکال باہر کیا۔ قرآن مجید کا یہ مقام اس معاملے کی اہمیت کو واضح کر رہا ہے۔ اور جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ اہم مضامین قرآن مجید میں دو مرتبہ ضرور آتے ہیں، ذہن میں رکھئے کہ یہ مضمون سورۃ التکویر میں بھی آیا ہے اور اس کا اعادہ سورۃ النجم میں بھی ہوا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اپنی اصل ملکی حالت میں دو بار دیکھا ہے۔ اس ملاقات کی بڑی اہمیت ہے۔ اس لیے کہ کسی روایت میں اگر راویوں کی کڑیاں متصل نہ ہوں، ان کی ملاقات ثابت نہ ہو تو روایت ناقابلِ اعتماد ہو جائے گی۔ قرآن بھی ایک روایت ہے۔ یہ اللہ کی حدیث ہے جو بروایت جبرئیلؑ پہنچی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پہنچایا انسانوں تک۔ اس اہم اور نازک معاملے میں روایت کی ان کڑیوں کا اتصال بہت اہمیت رکھتا ہے۔ سورۃ التکویر میں حضورؐ اور حضرت جبرئیلؑ کی ملاقات کا ذکر بڑے اہتمام سے ہوا ہے: "وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۝ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۝" کہ حضورؐ نے حضرت جبرئیلؑ کو دیکھا تھا افقِ مبین پر! اسی طریقے سے سورۃ النجم میں دوسری ملاقات کا ذکر ہے "وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى" کہ حضرت جبرئیل کو اصل ملکی صورت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بار شبِ معراج میں سدرۃ المنتہیٰ پر دیکھا تھا۔ قرآن مجید نے ان دونوں کی اس ملاقات کو دو مقامات پر اس قدر صراحت کے ساتھ اسی لیے بیان کیا ہے کہ یہ وحی کی دو کڑیاں ہیں۔ رسولِ ملک نے اللہ تعالیٰ سے اس پیغام کو حاصل کر کے پہنچایا رسولِ بشر تک اور رسولِ بشر نے اس کو پہنچا دیا خلقِ خدا تک۔ یہ گویا کہ ایمان بالرسالت کی ایک اہم بحث تھی جو اس مقام پر ایک آیت میں آئی!

اب چوتھی آیت میں عقیدۂ معاد اور عقیدۂ آخرت کا بیان ہے: "يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ" "وہ (اللہ تعالیٰ) جانتا ہے جو کچھ کہ لوگوں کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔" لیکن یہ جاننا کس لیے ہے؟ جواب بھی ساتھ ہی موجود ہے۔ "وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ" "بالآخر سارے معاملات اللہ کی طرف لوٹا دیے جائیں گے"۔ تمام معاملات اس کی عدالت میں پیش ہوں گے آخری فیصلے کے لیے۔ ہر شخص کو وہاں

حاضر ہونا ہوگا جواب دہی کے لیے ۔ یہاں ایک آیت میں بڑے اختصار کے ساتھ عقیدۂ آخرت کا گویا لبّ لباب اور خلاصہ سامنے لے آیا گیا ہے ۔ اس اختصار کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اِس سورۂ مبارکہ (سورۂ حج) کے پہلے رکوع میں چونکہ انتہائی وضاحت کے ساتھ آخرت کا بیان ہوا ہے، لہٰذا یہاں آخری رکوع میں اس کی طرف ایک اجمالی اشارے پر اکتفا کیا گیا۔ بہرحال یہ چار آیات ہیں جن کا آغاز ' یَا اَیُّھَا النَّاسُ ' کے خطاب سے ہوا ہے۔ ان میں جو اہم مضامین آئے ہیں اُن میں شرک کا ابطال، توحید کا اثبات، شرک کا اصل سبب (مَاقَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ)، شرک کا انسان کی سیرت و کردار پر یہ اثر کہ پھر وہ ایک پست شخصیت کا مالک ہو کر رہ جاتا ہے' اور توحید کا اصل حاصل کہ اللہ کے پجاری اور اللہ کے پرستار خود اپنی ذات میں بھی ترفّع حاصل کرتے ہیں' پھر نبوت و رسالت کی اہم بحث میں سلسلۂ وحی کی دو کڑیوں رسولِ مَلک اور رسولِ بشر کا ذکر اور اس کے بعد عقیدۂ آخرت کا بیان سب شامل ہیں ۔

اہلِ ایمان سے دین کے تقاضے

اب اگلی آیت میں خطاب اُن سے ہے جو ان حقائق کو مان چکے ہوں' ان پر ایمان لا چکے ہوں۔ چنانچہ آغاز ہو رہا ہے ' یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ' کے الفاظ سے ۔ اے اہلِ ایمان! یعنی اے وہ لوگو جنہوں نے مان لیا توحید کو، جنہوں نے تسلیم کر لیا آخرت کو، جو ایمان لے آئے رسالت پر' آؤ کہ تمہیں بتایا جائے کہ اب تمہیں کرنا کیا ہے! دین تم سے کن باتوں کا مطالبہ کرتا ہے' تمہاری دینی ذمہ داریاں کیا ہیں ___ ؟ آپ دیکھیں گے اس مقام پر دو آیتوں میں دین کے عملی تقاضوں کو نہایت جامعیت اور اختصار کے ساتھ جمع کر دیا گیا ۔ اور پے بہ پے فعل امر کا استعمال ہے کہ یہ کرو اور یہ کرو ! یہ ہیں دین کے عملی تقاضے! فرمایا :۔

" یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا " اے اہلِ ایمان، رکوع کرو " وَاسْجُدُوْا " اور سجدہ کرو ۔ " وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ " اور اپنے رب کی پرستش کرو، بندگی کرو۔ " وَافْعَلُوا الْخَیْرَ " اور نیک کام کرو' بھلے کام کرو۔ " لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ " ٥ تاکہ تم فلاح پاؤ! " وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ " اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں جیسا کہ اس کی راہ میں جہاد کا حق ہے ۔ " ھُوَ اجْتَبٰکُمْ " اس نے تمہیں چن لیا ہے' پسند کر لیا ہے ۔ " وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ " اور تمہارے لیے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی ۔ " مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ " یہ تمہارے باپ ابراہیم ہی کا طریقہ ہے ۔ " ھُوَ سَمّٰکُمُ

الْمُسْلِمِیْنَ ۵ " اس نے تمہارا نام رکھا مسلمان۔ " مِنْ قَبْلُ وَ فِیْ هٰذَا " اس سے پہلے بھی اور اس میں بھی۔ " لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا عَلَیْکُمْ " تاکہ ہو جائیں رسولؐ گواہ تم پر۔ " وَ تَکُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ " اور ہو جاؤ تم گواہ پوری نوعِ انسانی پر۔ " فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ " پس قائم کرو نماز! " وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ " اور ادا کرو زکوٰۃ! " وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ " اور اللہ سے چمٹ جاؤ! اللہ کے دامن سے مضبوطی کے ساتھ وابستہ ہو جاؤ۔ " هُوَ مَوْلٰکُمْ " وہ تمہارا حامی ہے، مددگار ہے، پشت پناہ ہے۔ " فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ " ۵ تو کیا ہی اچھا ہے وہ ساتھی اور مددگار اور کیا ہی اچھا ہے وہ پشت پناہ اور حمایتی۔

پہلا تقاضا: ارکانِ اسلام کی پابندی

ان دو آیات پر غور کیجئے۔ پہلی آیت میں چار اوامر وارد ہوئے اور ان میں ایک بڑی خوبصورت معنوی ترتیب نظر آتی ہے۔ اس حقیقت کو اختصار کے ساتھ سمجھنے کے لئے ایک ایسی سیڑھی کا نقشہ اپنے ذہن میں لائیے جس کے چار قدمچے (STEPS) ہوں۔ دیکھئے کسی بھی مدّعیِ ایمان سے دین کا پہلا تقاضا یہ ہوگا کہ وہ ارکانِ اسلام کی، شعائرِ دین کی اور فرائض کی پابندی کرے۔ ان میں اوّلین فریضہ کہ جس کو اسلام اور کفر میں امتیاز قرار دیا گیا ہے ـــــ اَلْفَرْقُ بَیْنَ الْکُفْرِ وَالْاِسْلَامِ الصَّلٰوةُ ـــــ نماز ہے۔ یہ 'عماد الدین' یعنی دین کا ستون ہے۔ ارکانِ اسلام میں سے رُکنِ رکین یہی نماز ہے۔ اس آیت میں نماز کے دو ارکان یعنی رکوع اور سجود کے حوالے سے مراد درحقیقت نماز ہے اور یہ نماز گویا نمائندہ ہو گئی تمام ارکانِ اسلام کی۔ اس لیے کہ یہ ان میں سرفہرست ہے۔ لہٰذا مطالباتِ دینی کی پہلی سیڑھی مشتمل ہے ارکانِ اسلام کی پابندی پر۔

دوسرا تقاضا: عبادتِ ربّ

اب دوسری سیڑھی کی طرف قدم بڑھاؤ " وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ " صرف نماز روزہ ہی مطلوب نہیں ہے، ربّ کی پرستش، اس کی بندگی اور اس کی اطاعتِ کُلّی پوری زندگی میں درکار ہے۔ یہ اطاعت بلا چون وچرا ہونی چاہیے اور بلا استثناء بھی! زندگی کو حصّوں اور اجزاء میں تقسیم نہ کر دیا گیا ہو کہ ایک حصّے میں اس کی اطاعت کی جاتی ہو اور زندگی کے بعض گوشے

اس اطاعت سے یکسر خالی ہوں۔ احکامِ خداوندی کی تفریق نہ ہو جائے کہ کوئی سر آنکھوں پر اور کوئی پاؤں تلے! وہ بندگی اور اطاعتِ کلّی مطلوب ہے جو محبتِ خداوندی سے سرشار ہو کر کی جائے۔ یہ دوسری سیڑھی ہے مطالباتِ دین کی۔ اور درحقیقت ارکانِ اسلام سے بھی مطلوب یہ ہے کہ ایک مسلمان کے اندر یہ صلاحیت و استعداد پیدا ہو جائے کہ وہ اپنی پوری زندگی کو اپنے رب کی اطاعت کے سانچے میں ڈھال سکے۔ نماز و روزہ اور زکوٰۃ و حج سب اسی لیے ہیں کہ انسان پوری زندگی بندگیٔ رب کے تقاضوں کو پورا کرنے کا اہل بن سکے! یہ دوسرا تقاضا ہوا۔

تیسرا تقاضا: بھلائی کے کام اور خدمتِ خلق

اس سلسلے کی تیسری سیڑھی کا بیان اس آیۂ مبارکہ میں "وَافْعَلُوا الْخَيْرَ" کے الفاظ میں ہوا ہے کہ نیک کام کرو، بھلے کام کرو۔ یہاں ظاہر بات ہے کہ خدمتِ خلق کے کام مراد ہیں کہ انسان کا وجود اپنے ہم نوع افراد کے لیے، پوری نوعِ انسانی کے لیے سراپا خیر کا موجب اور سبب بن جائے۔ اس کے بھی دو درجے ذہن میں رکھیے۔ ایک درجہ وہ ہے جسے آپ خدمتِ خلق کا بنیادی تصوّر کہہ سکتے ہیں اور جس سے سب لوگ واقف ہیں یعنی یہ کہ بھوکوں کو کھانا کھلایا جائے، اگر کوئی لباس سے محروم ہے تو اسے کپڑے پہنائے جائیں، کوئی بیمار ہے تو اس کی دوا دارو کا اہتمام کر دیا جائے، کسی راہ چلتے کو راستہ بتا دیا جائے۔ اسی طرح یتیموں، بیواؤں، مسکینوں اور محتاجوں کی خبر گیری اور سرپرستی کا شمار بھی خدمتِ خلق کے کاموں میں ہوگا۔ آیۂ بِرّ میں یہ بحث ہم پڑھ آئے ہیں: "وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ"

خدمتِ خلق کی بلند ترین سطح

——— لیکن غور کیجیے گا۔ خدمتِ خلق ہی کی ایک بلند تر سطح اور بھی ہے، وہ بلند تر سطح ہے بھٹکے ہوؤں کو راہِ راست پر لانا، وہ کہ جن کی زندگی کا رُخ غلط ہو گیا ہے، جو ہلاکت اور بربادی کی طرف بگٹٹ دوڑے جا رہے ہیں، جو اپنی بے بصیرتی کے باعث آگ کے الاؤ میں کود جانا چاہتے ہیں، ان کو سیدھی راہ پہ لانا۔ خلقِ خدا

کو راہِ ہدایت کی طرف دعوت دینا، اس سے بڑا خدمتِ خلق کا معاملہ اور کوئی نہیں! اس لئے کہ موٹی سی بات ہے کہ اگر کسی کو غذا فراہم کر کے اس کے پیٹ میں لگی ہوئی بھوک کی آگ کو آپ نے بجھا بھی دیا تو کیا ہوا، اگر وہ ہمہ تن آگ کے حوالے ہونے والا ہو اور آپ کو اس کی فکر نہ ہو! یہ کوئی ایسا بڑا خدمتِ خلق کا کام تو نہ ہوا۔ اگر کسی کی کوئی وقتی سی دنیاوی ضرورت آپ نے پوری کر بھی دی درآنحالیکہ آپ کو یقین ہے، اگر واقعتاً آپ کی آنکھیں کھل چکی ہیں کہ وہ جس ڈگر پر چل رہا ہے اس کا انجام ہلاکت کے سوا اور کچھ نہیں تو آپ نے اس کے ساتھ کیا بھلائی کی! جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور تمہاری مثال ایسے ہے کہ جیسے آگ کا ایک بڑا الاؤ ہے جس میں تم گر پڑنا چاہتے ہو اور میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر اور تمہارے کپڑے گھسیٹ گھسیٹ کر تمہیں اس سے روکنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ یہی مضمون سورۃ التحریم میں بھی وارد ہوا تھا: "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا" کہ اے اہلِ ایمان بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے! اور حضورؐ کا وہ طرزِ عمل کہ "یَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ اَنْقِذِیْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ" اور "یَا صَفِیَّةُ عَمَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَنْقِذِیْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ" کہ آپؐ اپنے گھر کے ایک ایک فرد کو گویا جہنم کی آگ سے خبردار فرماتے تھے اور اس سے خود کو بچانے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ یہ خدمتِ خلق کی بلند ترین منزل ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب تک وحی کا آغاز نہیں ہوا تھا آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں خدمتِ خلق کی وہ ابتدائی منزل بتمام و کمال موجود تھی۔ یتیموں کی خبر گیری ہے، مسکینوں کی خدمت ہے، مسافروں کی مہمان نوازی ہے، یہ تمام چیزیں اپنی اعلیٰ ترین شکل میں حضورؐ کی سیرت میں موجود تھیں۔ لیکن پھر جب آپ کے پاس وہ "الحق" آگیا، ہدایتِ خداوندی نازل ہوگئی، جب آپ پر حقائق منکشف کر دیئے گئے، جب عالمِ آخرت کے اسرار آپؐ کے نگاہوں پر روشن کر دیئے گئے۔ پھر آپؐ کی ساری مساعی، ساری تگ و دو، ساری دوڑ دھوپ اور خدمتِ خلق کا وہ پورا جذبہ مرتکز ہوگیا اسی پر کہ خلق خدا کو خدا کی بندگی کی دعوت دیں، راہِ ہدایت کی طرف بلائیں، نیند کے ماتوں کو جگائیں، جو لوگ مدہوش ہیں اور ہلاکت و بربادی کی طرف دوڑے جا رہے ہیں اُن کی آنکھیں کھولنے کی کوشش کریں۔ یہ چار باتیں جو درحقیقت منبر کی تین سیڑھیوں کے مشابہ ہیں، بیان

کرنے کے بعد فرمایا : " لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ "۔ تاکہ تم فلاح پاؤ ۔ 'لَعَلَّ' کے اصل معنٰی ہوتے ہیں 'شاید' ۔ تو ترجمہ یوں ہوگا 'شاید کہ تم فلاح پاؤ' اور یہ 'شاید' کا لفظ جب شاہانہ انداز میں کلام الٰہی میں آتا ہے تو اس میں حتمیت کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے جیسے کوئی بادشاہ اگر کسی سے کہے کہ اگر تم یہ کرو تو شاید ہم تمہارے ساتھ یہ معاملہ کریں، تو درحقیقت یہاں یہ 'شاید' ایک مکمل وعدے کی صورت اختیار کر جاتا ہے ۔ تو فرمایا " لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ " یہ سب کچھ کرو گے تو فلاح سے ہم کنار ہو گے ۔ یہ کرو گے تو کامیابی حاصل کر سکو گے ۔

"اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھوں!"

معلوم ہوا کہ اب ہم پھر اُسی مقام پر پہنچ گئے جہاں سے کہ ہم نے سفر کا آغاز کیا تھا ۔ اس آیۂ مبارکہ میں گویا سورۃ العصر اپنے جملہ مضامین کے ساتھ پھر ہمارے سامنے آگئی ۔ اس لئے کہ وہاں نجات کی شرطِ اوّل تھی ایمان ۔ یہاں خطاب ہوا ہے ' يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ' کے الفاظ سے ۔ اے اہلِ ایمان! وہاں ایمان کے فوراً بعد وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی شرط مذکور تھی ۔ یہاں اسی عملِ صالح نے ' اِرْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ ' کے الفاظ میں چار اوامر کی شکل اختیار کر لی ۔ رکوع کرو، سجدہ کرو، بندگی کرو اپنے رب کی اور تمہارا عمل خیر پر مبنی ہو جائے ۔ البتہ ' وَافْعَلُوا الْخَيْرَ ' کو اس کے وسیع تر مفہوم میں لیجئے جیسے کہ حضورؐ نے فرمایا : " خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَّنْفَعُ النَّاسَ " کہ لوگوں میں بہتر وہی ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچا رہا ہو جن سے لوگوں کو نفع پہنچ رہا ہو ۔ اب ظاہر بات ہے کہ نفع صرف دنیا کا نفع ہی تو نہیں ہے ۔ یہ تو نفع کا نہایت محدود تصوّر ہے ۔ اور اگر فی الواقع آنکھیں کھل گئی ہوں، حقیقت منکشف ہو گئی ہو، آخرت کا علم انسان کو حاصل ہو گیا ہو ۔ تو اب 'نفع' کا مفہوم بدل جائے گا ۔ اب انسان کو نظر آئے گا کہ اصل نفع تو آخرت کا نفع ہے ۔ اصل جیت وہاں کی جیت اور اصل ہار وہاں کی ہار ہے ۔ سورۃ التغابن میں ہم پڑھ چکے : " ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ " وہ ہے ہار اور جیت کے فیصلے کا دن! جو اُس روز نفع میں رہا وہ حقیقۃً نفع میں رہا اور جو اس روز گھاٹے میں قرار دیا گیا وہی اصل میں گھاٹا پانے والا!

فلاح کا دار و مدار دینی فرائض کی ادائیگی پر ہے!

اس آیۂ مبارکہ پر پھر اپنی توجہ کو مرکوز کیجئے! " یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ " اے اہلِ ایمان، رکوع کرو، سجدہ کرو، اپنے رب کی بندگی کرو (اس کی اطاعت کلی پر کاربند ہو جاؤ اس کی محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر) اور بھلے کام کرو، (نیکیاں کرو، خلقِ خدا کی خدمت کرو) یہ سب کام کرو گے تو فلاح پاؤ گے! آپ غور کیجئے کہ اگر صرف دعوٰئ ایمان سے فلاح اور کامیابی کا حصول یقینی ہو جائے تو کیا یہ سارا کلام، نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ، مہمل نہیں قرار پائے گا! یہ بے معنی بات ہو گی۔ یہ منطق کی اصطلاح میں تحصیلِ حاصل قرار پائے گا۔ جو چیز محض دعوٰئ ایمان سے یا مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہو جانے سے خود بخود حاصل ہو جائے۔ اس کے لیے اتنا کھکھیڑ مول لینا، اتنی محنت اور مشقت کرنا سعئ لاحاصل قرار پائے گا۔ پھر یہ رکوع و سجود، بندگئ رب، پوری زندگی میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کلی اور خدمتِ خلق پر کمربستہ ہو جانا گویا یہ سب اضافی چیز قرار پائیں گے! لیکن قرآن حکیم اس غلط فہمی کو دور کر دینا چاہتا ہے۔ جیسے کہ سورۃ العصر میں یہ بات وضاحت سے سامنے آئی تھی کہ نجات کی شرائط چار ہیں! وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○

چوتھا تقاضا: جہاد فی سبیل اللہ

——— ایمان اور عمل صالح کی حد تک بحث تو سورۃ الحج کی اس ایک آیت میں مکمل ہو گئی جس کا مطالعہ ہم نے ابھی کیا ہے۔ اور تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کے قائم مقام کے طور پر، جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ کے حوالے سے اب اصطلاح آ رہی ہے یہاں جہاد کی۔ چنانچہ دوسری آیت جو اس رکوع کی آخری آیت ہے، پوری کی پوری جہاد ہی کے موضوع پر ہے۔ فرمایا: وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِهَادِهٖ " اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں جیسا کہ جہاد کا حق ہے" آپ دیکھیں گے کہ اس رکوع کے پہلے اور دوسرے حصے کے مابین مضامین کے اعتبار سے بڑا گہرا ربط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ترتیبِ مضامین کے اعتبار سے ہمارے اس منتخب نصاب میں اب جہاد ہی کا مضمون چل رہا تھا لیکن

اس آخری آیت کے مفہوم کو پورے طور پر سمجھنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ اس پورے رکوع کا مضمون سامنے آجائے۔

رکوع کے دونوں حصّوں کا تقابل کیجئے! اوپر لفظ آیا تھا ' مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ " کہ انہوں نے خدا کو نہ پہچانا جیسے کہ پہچاننا چاہیئے تھا۔ وہ اللہ کے مقام و مرتبے اور اللہ کی صفاتِ جمال و کمال کا کوئی اندازہ نہ کر پائے جیسا کہ اس کے اندازے کا حق تھا۔ وہی اسلوب یہاں آرہا ہے۔ " وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ۔" یہ دو چیزیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔ (۱) خدا کی معرفت جیسا کہ اس کا حق ہے اور (۲) خدا کے لیے جہاد، کوشش، جدّوجہد اور محنت جیسا کہ اس کا حق ہے۔ پہلی چیز ایمان کا لُبّ لباب اور ایمان کا اصل حاصل ہے۔ انسان کی نظری و فکری و عملی قوتوں کی معراج ہے اللہ کی معرفت! اور انسان کے قوائے عملیہ کا جو بہترین ہدف اور ان کا بہترین مصرف ہے وہ ہے جہاد فی اللہ! اللہ کے لیے جہاد۔ درحقیقت ' فِي اللّٰهِ ' سے مراد بھی کم و بیش وہی ہے جو ' فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ ' سے ہے جس پر مفصل گفتگو پچھلے سبق میں ہو چکی ہے۔ آیت کے الفاظ پر توجہ کو جمائیے! " وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ " اور محنتیں کرو، کوششیں کرو، جدوجہد کرو، لگاؤ اِس راہ میں اپنی جانیں اور اپنے مال اور کھپاؤ اپنی جسمانی قوتیں اور صلاحیتیں اور صرف کرو اپنے اوقات اِس طور سے اور اِس شان سے کہ جس شان سے کہ اللہ کے لیے محنت کرنے کا حق ہے۔ یہاں ذہن میں رکھیے کہ انسان محنتیں کرتا ہے، مشقتیں بھی کرتا ہے لیکن یہ مسئلہ کہ اس کی محنت اور مشقت پر کس کا کتنا حصّہ حق ہے، اس کی صحیح تعیین ہی پر دار و مدار ہے اُس کے صحیح یا غلط ہونے کا۔ ہم میں سے اکثر لوگ وہ ہیں جو اپنے آپ کو گویا کہ ہمہ تن کھپا دیتے (INVEST کر دیتے) ہیں اپنی اولاد پر۔ بلکہ ہم میں سے اکثر و بیشتر کے معاملے میں یہ بات شاید غلط نہ ہوگی جو ایک صاحب نے بڑے عجیب پیرائے میں ایک زمانے میں مجھ سے کہی تھی کہ میں تو اپنی بیوی بچّوں کا ملازم ہوں کپڑے اور روٹی پر! میری ساری محنت صَرف ہوتی ہے کمانے پر۔ اور اس کمائی کا مصرف کیا ہے؟ میرے یہ گھر والے، اِن کی ضروریات، اِن کا پیٹ پالنا، ان کا تن ڈھانپنا اور بس! یہ انتہائی تلخ حقیقت ہے کہ اگر تجزیہ کیا جائے تو ہمارے ننانوے فیصد لوگوں کی سعی و جہد، ان کی بھاگ دوڑ، ان کی محنت کا اصل حاصل اِس کے سوا کچھ نہیں! سوال یہ ہے کہ انسان اگر اپنے اہل و عیال کے لیے محنتیں اور مشقتیں کر رہا ہے تو وہ اہل و

عیال آخر اس کو کیا ' REPAY ' کرسکیں گے ! اس کی اس محنت اور جدوجہد کی کیا قیمت ادا کرسکیں گے ؟ اُسے اس کا کیا بدلہ دے سکیں گے ! اکثر و بیشتر تو وہی اولاد انسان کے بڑھاپے کے وقت اس کے سامنے سینہ تان کر کھڑی ہوتی ہے ۔ یہ الفاظ بھی زبان سے نکلتے ہیں کہ ابا جان آپ پرانے زمانے کے لوگ ہیں' آپ کو کیا معلوم کہ جدید زمانے کے تقاضے کیا ہیں ! اس وقت جس طرح کلیجہ اندر سے کٹتا ہے کہ یہ ہیں وہ کہ جن پر ہم نے اپنے آپ کو نچھاور کر دیا تھا' لگا دیا تھا اور کھپا دیا تھا ! تو فرمایا : " وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ " تم سوچو کہ تمہاری محنت و مشقت اور تمہاری سعی و جہد کا اصل حق دار کون ہے ؟ کیا وہی نہیں جو تمہارا خالق ہے ' تمہارا مالک ہے ' تمہارا پروردگار ہے' تمہارا پالنہار ہے اور تمہارا رازق ہے ! اگر واقعتاً تم نے اُسے پہچان لیا ہے ' اگر یہ تمہارا اقرار لسانی محض ایک عقیدہ نہیں ہے جو زبان پر ہو بلکہ اس کی حقیقت بھی کسی درجے میں تمہیں حاصل ہو چکی ہے اور تمہارے دل و دماغ اس حقیقت سے منوّر ہو چکے ہیں تو اس کا تو پھر ایک ہی نتیجہ نکلنا چاہیے ۔ وہ یہ کہ تمہاری سعی و جہد کا اوّلین ہدف اور تمہاری قوّتوں اور توانائیوں کا اوّلین مصرف اللہ اور اس کے دین کی سربلندی قرار پانا چاہیے ۔ اور تمہاری قوتوں اور صلاحیتوں کا بہتر اور بیشتر حصّہ لگنا چاہیے اور کھپنا چاہیے اللہ کے لیے ! اسی کا نام ہے جہاد فی اللہ یا جہاد فی سبیل اللہ ! اس طور سے جیسا کہ اس کی راہ میں جہاد کا حق ہے ۔ یہ نہ ہو کہ معمولی سی کوشش یا تھوڑی سی محنت کر کے اور ذرا سا ایثار یا تھوڑا سا وقت لگا کر یا کچھ تھوڑا سا کہیں چندہ دے کر انسان اپنے دل کو مطمئن کر بیٹھے کہ میں نے حق ادا کر دیا ۔ میں نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی ۔ اللہ کے لیے جتنا کچھ مجھے کرنا چاہیے تھا وہ میں نے کر دیا ! یہاں ' حقّ جہادہٖ ' کے الفاظ بہت اہم ہیں اور ان کے ذریعے اس عمل کو جس شدّ و مد کے ساتھ اور جس وسعت کے ساتھ ہونا چاہیے اور زندگی میں اِس کو جس درجے اہمیت ' جو مقام اور مرتبہ ملنا چاہیے ' اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا ۔ ابھی یہ مضمون جاری رہے گا ___ جہاد فی سبیل اللہ کا ہدف اوّلین یعنی شہادت علی الناس درحقیقت اس آخری آیت کا اصل مضمون ہے ' جس کے پیشِ نظر اس مقام کو منتخب نصاب کے اس حصّے میں شامل کیا گیا ہے ___

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ !

"انسدادِ منکرات" کی مہم میں

اُسوۂ رسولؐ کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے!

سُود کی لعنت کو ختم کرنے کے سنہری موقع سے فائدہ نہ اٹھانا حقیقت ناشناسی ہوگی!

جماعتِ اسلامی کے زیراہتمام سیمینار سے امیر تنظیم اسلامی کا خطاب

بشکریہ ہفت روزہ 'ندا' لاہور

حمد و ثناء اور ادعیہ مسنونہ کے بعد

محترم صدرِ محفل، زعمائے ملت اور معزز حاضرین!

آپ بھی جانتے ہیں اور مجھے بھی اس کا اندازہ تھا کہ اس قسم کے اجتماعات میں کسی مفصّل تقریر کا موقع نہیں ہوتا۔ متعدّد مقررین اپنے خیالات کا اظہار فرماتے ہیں، لہٰذا کسی ایک شخص کو زیادہ وقت نہیں دیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اس اجتماع میں شرکت کے لئے بالخصوص یہ اہتمام کیا کہ آج کے سیمینار کے موضوع سے متعلق اپنی ایک تقریر جو پچھلے دنوں مسجد دار السّلام میں ہوئی تھی اور کچھ عرصہ قبل "میثاق" میں شائع بھی ہوئی، اسے میں نے ہنگامی طور پر ایک کتابچہ کی شکل میں تیار کرایا اور وہ اس وقت آپ حضرات کی خدمت میں ہدیتاً پیش کی جا چکی ہے۔

کتاب 'نہی عن المنکر کی خصوصی اہمیّت' کا تعارف

چونکہ مجھے اپنے اندازے سے نسبتاً زیادہ وقت دے دیا گیا ہے لہٰذا میں پہلے اس کتابچے کا تعارف کرا دینا چاہتا ہوں۔ امّتِ مسلمہ کے اجتماعی فرضِ منصبی کے لئے قرآن حکیم میں دو اصطلاحات آئی ہیں۔ ایک اصطلاح نسبتاً فلسفیانہ ہے جس کو سمجھانے کے لئے بہت سے صغریٰ کبریٰ جوڑنے ضروری ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بالعموم اس اصطلاح کو سمجھا نہیں گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ عہدِ حاضر میں یہ بات بھی بہت اچھی علامات میں سے ہے کہ اس اصطلاح کا صحیح مفہوم مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنی معرکۃ الآراء

کتاب "دعوتِ دین اور اس کا طریق کار" میں اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی مشہور تقریر "شہادتِ حق" میں نہایت خوبصورتی اور دلائل کے ساتھ واضح کر دیا ہے - یہ کہ اس امّت کا فرضِ منصبی شہادت علی النّاس یا شہادتِ حق ہے - البتہ قرآن مجید کا یہ اسلوب ہے کہ جو مضمون وہ فلسفیانہ اور حکیمانہ انداز میں بیان کرتا ہے' عوام کی سہولت کے لئے اسے عام فہم انداز میں بھی ادا کرتا ہے اس لئے کہ یہ کتابِ ہدایت صرف علماء' فضلاء اور حکماء کے لئے نہیں' عوام کے لئے بھی ہے چنانچہ عام فہم اصطلاح 'امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' ہے -

امّتِ مسلمہ کے لئے یہ اصطلاح صرف سورۂ آل عمران میں دو مرتبہ وارد ہوئی ہے - میں نے ابھی جن آیاتِ مبارکہ کا حوالہ دیا ہے' مجھے اس کے بارے میں بھی تفصیلاً عرض نہیں کرنا البتہ ایک تلخ حقیقت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے اور وہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے جو اس امّت کے بہت بڑے حصے میں پیدا ہو چکی ہے - امر بالمعروف اور نہی عن المنکر لازم و ملزوم ہیں' ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں' ایک ہی گاڑی کے دو پہیے ہیں - قرآن مجید میں دس مقامات پر ایک وحدت کی حیثیت سے یہ اصطلاح آئی ہے لیکن افسوس کہ ہمارے ایک بہت ہی مؤثر طبقے نے اس کے اندر تفریق پیدا کر دی - 'نہی عن المنکر' کو اپنے لائحہ عمل سے خارج کر دیا اور صرف امر بالمعروف' دعوتِ خیر' تلقین اور وعظ و نصیحت پر اکتفا کر لیا -

علماءِ کرام کے کرنے کا اصل کام

اس سے ایک بہت بڑی غلطی جو پیدا ہوئی ہے' درحقیقت اسی کی اصلاح کے لئے میں نے یہ تقریر کی تھی کہ واقعہ اگرچہ یہ ہے کہ یہ دونوں اپنی جگہ لازم و ملزوم ہیں لیکن قرآن و حدیث کے بعض مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اہم تر حصہ نہی عن المنکر کا ہے - عذابِ الٰہی سے بچنے کی واحد راہ نہی عن المنکر ہے - علماء و صلحاء اور جو حضرات کسی بھی اعتبار سے امت میں رہنمائی کے منصب پر فائز ہوں' ان کے کرنے کا اصل کام نہی عن المنکر ہے - یہ ہے درحقیقت وہ بنیادی بات جو چونکہ ہمارے مذہبی طبقات میں سے بعض اہم حصوں کے ذہنوں سے نکل چکی ہے لہٰذا اس کا از سرِ نو اثبات اور

اس کو نئے سرے سے واضح کیا جانا ضروری ہے - اسی غرض سے میں نے یہ تقریر کی جو اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہے - اس اعتبار سے میں ایک حدیث کا حوالہ آپ حضرات کو ضرور دینا چاہوں گا جو ہمارے لئے بہت ہی آنکھیں کھول دینے والی بات ہے -

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بنی اسرائیل میں جو اولین نقص پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ ایک شخص کسی دوسرے سے ملاقات پر کہتا تھا: اے فلاں' اللہ سے ڈرو' اور جو کام تم کر رہے ہو اسے چھوڑ دو' اس لئے کہ وہ تمہارے لئے جائز نہیں ہے! لیکن پھر جب ان کی اگلے روز ملاقات ہوتی تھی تو اس کے باوجود کہ وہ شخص اپنی اسی روش پر قائم ہوتا تھا یہ بات اس پہلے شخص کو اس کے ساتھ کھانے پینے میں شرکت اور مجالست سے نہیں روکتی تھی' تو جب انہوں نے یہ روش اختیار کی تو اللہ نے ان کے دلوں کو بھی باہم مشابہ کر دیا" - اس کے بعد آپؐ نے آیاتِ قرآنی (سورۂ مائدہ ۷۸ تا ۸۱) "لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا . . . . فَاسِقُوْنَ" تک تلاوت فرمائیں اور پھر فرمایا: "ہرگز نہیں! خدا کی قسم تمہیں لازماً نیکی کا حکم دینا ہوگا اور بدی سے روکنا ہوگا اور ظالم کا ہاتھ پکڑ لینا ہوگا' اور اسے جبراً حق کی جانب موڑنا اور اس پر قائم رکھنا ہوگا ورنہ اللہ تمہارے دل بھی ایک دوسرے کے مانند کر دے گا' اور پھر تم پر بھی اسی طرح لعنت فرمائے گا جیسے اُن پر کی تھی!" اس حدیث کو روایت کیا امام ابو داؤدؒ اور امام ترمذیؒ نے -

متذکرہ بالا الفاظ روایتِ ابی داؤد کے ہیں جبکہ روایتِ ترمذی کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہوئے تو (ابتدا میں) اُن کے علماء نے ان کو ان سے روکا لیکن جب وہ باز نہ آئے اور (اس کے باوجود) انہوں نے ان کی ہم نشینی اور باہم کھانا پینا جاری رکھا تو اللہ نے ان کے دل بھی باہم مشابہ کر دیئے اور پھر ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) کی زبانی لعنت فرمائی اور یہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی روش اختیار کی اور وہ حدود سے تجاوز کرتے تھے" - اس کے بعد آنحضورؐ اٹھ کر بیٹھ گئے در آں حالیکہ اس سے قبل آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے اور پھر آپ نے فرمایا: "نہیں' اُس ہستی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب تک تم ان کو حق کی جانب موڑ نہ دو گے (تمہاری ذمہ داری ادا نہ ہوگی)" - امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے!

اس حدیثِ مبارکہ کے حوالے سے جماعت اسلامی کے ارباب حل و عقد کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ اس نے اس اہم شعبے کی طرف ایک منظم طریقے سے توجہ کی ہے البتہ اس کے ضمن میں ادب کے ساتھ چند گزارشات پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں- پہلی بات یہ کہ یہ کام جیسا کہ میرے پیش رو دو مقررین نے بھی بیان کیا' صرف ہفتوں تک محدود نہیں رہنا چاہئے- یہ تو سب سے نمایاں' آپ کے کرنے کا اصل کام' دائم و قائم اور آپ کا سب سے ممتاز وصف' آپ کا شعار بن جانا چاہئے- یہ صورت صرف مہم کی صورت میں چند دنوں تک رہی تو اس کی برکتیں ظاہر نہیں ہو پائیں گی- یوں وہ صرف ایک جماعتی Issue بن کر رہ جائے گا اور ایک خاص جماعت کے لئے گویا کہ لوگوں کی نگاہ میں پبلسٹی کے حصول کا ایک ذریعہ' چاہے اپنی جگہ آپ کی نیت کچھ بھی ہو- یہ کام دائم و قائم اور مسلسل ہونا چاہئے بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا یہی اصل اور نمایاں ترین وصف ہونا چاہئے-

اُمّتِ مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل

جب امت مسلمہ کا اصل فرضِ منصبی یہی ہے' جب ہمیں نکالا ہی اسی لئے گیا ہے کہ

" كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ "-

پھر اگر پوری امت اس فرض کو فراموش کر کے سو گئی ہو تو اس صورت میں بھی جو طرز عمل ہونا چاہئے اس کی طرف بھی قرآن مجید نے رہنمائی فرما دی کہ اس سوئی ہوئی بڑی امت میں سے کچھ لوگ تو ہوش میں آئیں' کچھ تو جاگیں اور جگائیں اور مل جل کر ایک قوت بنیں ——— اور وہ قوت تین کام کرے- یہ آیت بڑی اہم ہے- میں نے اس سے پہلے ایک تقریر میں امّتِ مسلمہ کے لئے سہ نکاتی لائحہ عمل پیش کیا تھا جو سورۂ آل عمران کی آیات ۱۰۲' ۱۰۳ اور ۱۰۴ میں دیا گیا ہے- امتِ مسلمہ کے لئے یہ سہ نکاتی لائحہ عمل ہے اور اس کا نکتہ عروج ہے :

" وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ "-

تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جس کا کام ہی یہ ہو کہ وہ خیر کی طرف دعوت دے-

اس کے بارے میں کچھ اختلاف ہو سکتا ہے کہ 'خیر' سے مراد کیا ہے - پورا اسلام بھی خیر ہے 'پورا دین بھی خیر ہے' ہر بھلائی خیر کے درجے میں آجائے گی اور ہر معروف بھی خیر ہے لیکن چونکہ امر بالمعروف آگے علیحدہ بھی آ رہا ہے لہٰذا میرے نزدیک یہاں "یَدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ" کا مفہوم معیّن کرنا ہوگا - درحقیقت سب سے بڑا خیر قرآنِ حکیم ہے - "ھُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ" - یہ کہیں بہتر ہے 'خیر سے بھی اعلیٰ ہے 'خیرِ کثیر ہے 'خیرِ اعظم ہے 'خیرِ اعلیٰ ہے - اس کی طرف بلانا اور پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف بلانا تین کام ہوئے - انہی کے لئے اپنے آپ کو خاص کر لیجئے 'اسی کو اپنا سب سے بڑا شعار بنا لیجئے اور اسی کو اپنی پالیسی کا بنیادی مقصد بنا لیجئے - اس کے ضمن میں دوسری بات جو میں عرض کرنا چاہوں گا' اس میں بھی حدیثِ نبویؐ اور سنتِ نبویؐ ہمارے لئے گویا کہ سرمۂ چشم ہیں - ہمارے لئے رہنمائی کا فریضہ سرانجام دینے والی ہیں 'دو عظیم حدیثیں ہیں جن میں سے ایک تو بہت عام ہے کہ تم میں سے جو شخص بھی کسی منکر کو دیکھے 'اس کا فرض ہے کہ ہاتھ سے 'طاقت سے روکے - اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو یا زبانوں پر بھی تالے ڈال دیئے گئے ہوں تو کم سے کم دل سے اسے برا سمجھے 'گھٹن ہو' انسان کو ایک صدمے کی کیفیت لاحق رہے کہ ۔

دانستہ ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

فرمایا کہ یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے -

ایک اور حدیث جو اپنے مفہوم میں اس سے بھی زیادہ واضح ہے لیکن چونکہ ذرا طویل ہے اس لئے وہ ہمارے ہاں عام طور پر بیان نہیں ہوتی - میرے نزدیک اس موضوع پر اہم ترین حدیث وہی ہے - حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں مجھ سے پہلے اللہ نے جس نبی کو بھی اُس کی امت میں مبعوث فرمایا تو اللہ نے اس کو اپنے کچھ ساتھی اور حواری عطا فرمائے کم یا بیش 'زیادہ یا تھوڑے 'کچھ نہ کچھ صحابہ یا حواری تو ملے - وہ کیا کرتے تھے ؟ - اپنے نبی کی سنّت کو مضبوطی سے تھامتے تھے 'ان کے حکم کے مطابق عمل کرتے تھے لیکن اس کے بعد ہمیشہ یہ ہوتا رہا کہ ایسے ناخلف پیدا ہوتے رہے جو کہتے وہ تھے جو کرتے نہیں تھے - الفاظ بہت بلند و بالا 'نہایت عمدہ تقاریر 'لیکن عمل کا خانہ خالی -

محبت کے دعوے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لیکن عملی زندگی کی طرف نگاہ جائے تو معلوم ہو کہ میلوں دُور کا بھی تعلق نہیں - چنانچہ کرتے وہ تھے جن کا انہیں حکم نہیں ہوا تھا- اب اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ جو ان کے ساتھ جہاد کرے اپنے ہاتھ سے ' وہ مومن ہے اور جو ان کے ساتھ جہاد کرے اپنی زبان سے ' وہ مومن ہے اور جو ان کے ساتھ جہاد اور کشمکش کرے اپنے دل سے ' وہ بھی مومن ہے اور اس کے بعد تو ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں رہتا-

نہی عن المنکر بالید' کا مرحلہ کب آتا ہے؟

یہ دوسری حدیث مسلم شریف کی روایت ہے اور میرے نزدیک اپنے مفہوم کو اور زیادہ واضح کرتی ہے لیکن میں ان دونوں احادیثِ مبارکہ کے حوالے سے جو بات اس وقت کہنا چاہ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ نہی عن المنکر باللّسان اور نہی عن المنکر بالید کے درمیان ایک فصل ہے ' فاصلہ ہے اور یہ نہایت نازک مرحلہ بھی ہے - اسی نازک مرحلے پر صحیح فیصلہ کرنا تحریکوں اور جماعتوں کے مستقبل اور کامیابی و ناکامی کا اصل دارومدار بن جاتا ہے- چنانچہ اگر Pre-maturally ' وقت سے پہلے ' مناسب قوت حاصل کئے بغیر نہی عن المنکر بالید کا فریضہ شروع کر دیا گیا تو وہ خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ہوگا- اس سلسلے میں رہنمائی کے لئے ہمیں سنتِ رسولؐ ' سیرتِ طیبہ کی طرف رجوع کرنا ہوگا- دیکھئے سب سے بڑا منکر تھا بت پرستی اور اسی کے خلاف سب سے پہلے آواز اٹھائی گئی : "قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ" - اعلانِ عام کیا گیا یہ بُت کیا ہیں ' یہ دیویاں کیا ہیں ' یہ تو کچھ نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباءواجداد نے رکھ چھوڑے اور اللہ نے ان کے لئے کوئی برہان نہیں اتاری لیکن نوٹ کیجئے کہ باللّسان دعوت ہوتی رہی ' نہی عن المنکر ہوتا رہا تاہم کسی بت کو توڑا نہیں گیا- بُت موجود رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی کعبہ کا طواف کرتے رہے جس میں بت رکھے ہوئے تھے - محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی صحنِ حرم میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے رہے جہاں دائیں ' بائیں ' پیچھے اور آگے بت ہی بت تھے -

اُسوۂ رسولؐ کی پیروی ضروری ہے !

یہی ہمارے لئے اصل اسوہ ہے - آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ مکہ میں جو مسلمان تھے وہ

معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ' بزدل نہیں تھے 'وہ بے غیرت نہیں تھے 'ان میں سے ہر ایک اپنی جان قربان کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار تھا لیکن کہا گیا کہ صبر کرو 'اپنے آپ کو تھامے رکھو- مجھے علامہ اقبال کا وہ شعر یاد آیا کہ ؎

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی

لیکن پھر ایک وقت آیا کہ ہاتھ کھول دیئے گئے - "اجازت دی جاتی ہے کہ ان لوگوں سے قتال کرو کیونکہ انہوں نے ظلم روا رکھا"- لیکن یہ نوٹ کیجئے کہ ایک قائد کی سرکردگی میں ایک جماعت فدائین اور سرفروشوں کی تیار ہوئی اور پھر اس نے جہاد بھی کیا' قتال بھی کیا- جب وہ طاقت حاصل ہوگئی تو مکہ میں داخل ہو کر محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا کام جو کیا وہ ان بتوں کو توڑ دینا ہی تھا "حق آگیا اور باطل نے راہ فرار اختیار کی- اسے تو جانا ہی تھا"

یہ اسوۂ رسول ہے اور بڑا نازک مرحلہ ہے یہ فیصلہ کرنا کہ آپ نہی عن المنکر باللسان کریں گے یا بالید بھی کریں گے - یاد رکھئے اس کے لئے فیصلہ حضورؐ کا ذاتی نہیں تھا' یہ فیصلہ وحی کے ذریعے سے ہوا - اب ختم نبوت کے بعد ظاہر بات ہے کہ تحریکوں کو خود فیصلے کرنے ہیں جس کے لئے اپنی بہترین اجتہادی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا ہوگا- لیکن یہ الل ٹپ فیصلہ کرنے کی باتیں نہیں ہیں- یہ تحریک اور جماعت کی اعلیٰ ترین قیادت کا فیصلہ ہوگا- اس کو اپنی بہترین اجتہادی قوت کو بروئے کار لا کر فیصلہ کرنا ہے- یہ فیصلہ انفرادی نہیں ہونا چاہئے اور پھر یہ فیصلہ اعلانیہ بھی ہوگا' خفیہ نہیں ہوگا- اگر یہ دونوں شرطیں پوری نہ ہوئیں تو یہ فساد فی الارض بن جائے گا- اس سے خیر وجود میں نہیں آئے گا-

ہمیں ہر معاملہ میں سنتِ رسولؐ کو اپنے سامنے رکھنا ہے- تیاری کیجئے' طاقت فراہم کیجئے' منظم قوت بڑھایئے 'اپنے Base کو Extend کیجئے- ایک وقت آئے گا کہ Open Challenge throw کیا جائے گا' ایک واضح چیلنج دیا جائے گا کہ آئندہ اب یہاں ہم نہیں یا یہ منکر نہیں- میں معذرت کے ساتھ عرض کر رہا ہوں ' نوجوانوں کا جوش میں نے ابھی دیکھ لیا ہے اور گوجرانوالہ میں اس کی ایک عملی شکل بھی سامنے آگئی ہے لیکن اس ضروری تیاری کے بغیر کوئی اقدام نہ کیجئے- ظاہر بات ہے کہ میں اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ پر عمل کر رہا ہوں' میں چاہتا ہوں کہ اس کو آپ کے سامنے رکھ دوں کہ یہ کام کرنے کا ہے

لیکن ابھی نہیں- اس کو بڑھایئے' اپنے Base کو وسیع کیجئے اور پھر کھلم کھلا اعلان کیجئے' Point Out کیجئے کسی ایک شے کو کہ یہ شے اب نہیں ہوگی- یا ہم نہیں یا یہ نہیں- پھر پیچھے ہٹنے کا معاملہ نہیں' پھر پولیس کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنے والی بات بھی نہیں' پھر تو سینوں پر گولیاں کھانی ہوں گی' پیٹھ نہیں دکھانی ہوگی لیکن اس سے پہلے پہلے انفرادی طور پر' وقتی ہیجان میں' وقتی اشتعال کے تحت قدم اٹھالینا درحقیقت فساد فی الارض کے ذیل میں آئے گا- یہ اصلاح کے اور طریقہ نبویؐ کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا ہوگا-

"امرِ حال" کو پہچانیئے

تیسری اور آخری بات عرض کر رہا ہوں اور یہاں میں اپنے تبلیغی بھائیوں کی اصطلاح مستعار لیتا ہوں- وہ کہا کرتے ہیں "امرِ حال" کو پہچاننا ضروری ہے- میں نے بھی اپنے اس کتابچہ میں اگرچہ یہ لکھا ہے کہ سب سے بڑا فتنہ ہمارے معاشرے میں فتنۃ النساء ہے اس لئے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ میں اپنی امت پر عورتوں کے فتنہ سے بڑھ کر کوئی فتنہ چھوڑ کر نہیں جا رہا ہوں- یہ فتنہ نساء یہی ہے جو فحاشی' عریانی اور بے پردگی کی صورت میں طوفان کی شکل اختیار کر چکا ہے- یقیناً یہ سب سے بڑا فتنہ ہے' عام حالات میں ہمیں اسی کے خلاف اقدام کرنا چاہئے اور منظم طریقے پر کرنا چاہئے لیکن ایک تو اس کے ضمن میں بھی میں یہ عرض کروں گا کہ اس کا جو سب سے بڑا منبع اور سرچشمہ آپ کے معاشرے میں بن چکا ہے اور جس پر عوامی دباؤ اثر انداز بھی ہو سکتا ہے' وہ آپ کا اُردو پریس ہے- لاکھوں کی تعداد میں چھپنے والا اخبار ہے جو عام آدمی کی ضرورت ہے- آپ کو معلوم ہے کہ پوری دنیا میں اس کے ساتھ یہ رنگین صفحات نہیں ہوتے - عریاں تصویروں والے پرچے بھی اُن کے ہاں مستقل چھپتے ہیں' جن کا ذوق ہے وہ خریدیں اور پڑھیں لیکن روزنامہ اخبار عوام کی ضرورت ہے- اس کو اخبار ہونا چاہئے' فحاشی کا اڈہ نہیں بن جانا چاہئے- یہ لعنت سوائے پاکستان کے اور کہیں نہیں ہے اور یہ ہر گھر میں داخل ہو رہی ہے- سینما میں تو جو جائے گا' اس کو دیکھے گا لیکن یہ لعنت ہر روز آپ کے گھر میں داخل ہو رہی ہے- پھر ظلم یہ کیا گیا ہے کہ ان رنگین صفحات کو اخبار کا حصہ بنا دیا گیا ہے- اگر اڈہ لگانا ہے تو سب سے پہلے ان کے خلاف لگایئے' منظم طریقے سے لگایئے البتہ امرِ حال کے حوالے سے ایک اور بات کہنا چاہتا تھا-

معاشی ڈھانچے میں بنیادی تبدیلیاں لانے کا یہ سنہری موقع ہے

میرے نزدیک "امرِ حال" یہ ہے کہ اس وقت ہمارے ملک میں ایک سنہری موقع آیا ہے' معاشی نظام میں بنیادی تبدیلیاں لانے کا سنہری موقع! اِس وقت اگر ہم نے اپنی توجہات کو کسی دوسری چیز کی طرف منعطف کر دیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ درحقیقت حالات کی نبض پر ہمارا ہاتھ نہیں ہے۔ ہم گویا حالات کے تقاضوں سے اغماض کر رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے جیسا کہ ابھی جسٹس عامر رضا صاحب نے فرمایا یہ جاگیرداری جب تک موجود ہے آپ کی سیاست کبھی نہیں سدھر سکتی۔ یہ سرمایہ داری کی لعنت جب تک موجود ہے' حالات تبدیل نہیں ہوں گے۔ سرمایہ داری کا سب سے بڑا Instrument سود کی لعنت ہے۔ فحاشی کا سدّباب اسی لیے تو ہے کہ زنا جیسے کبیرہ گناہ کے راستوں کو بند کیا جاتے۔ اور زنا میں بھی ماں سے زنا! اندازہ کیجئے کہ سُود کا جُرم اس سے بھی ستر گنا زیادہ ہے۔ ابو داؤد کی روایت ہے کہ سود کے گناہ کے ستر حصے ہیں۔ ستر میں بھی سب سے ہلکا' سب سے چھوٹا حصہ اس کے مساوی ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرے۔

سود سرمایہ داری کا سب سے بڑا سہارا ہے۔ اسے توڑنے اور سرمایہ داری و جاگیرداری کو ختم کرنے کے لئے ایک انقلاب ضروری ہوتا ہے اور جیسا کہ جسٹس صاحب نے ابھی فرمایا' انقلاب میں بڑی قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے اور میں جانتا ہوں کہ وہ ناگزیر ہے' وہ قربانیاں دینی ہی پڑیں گی لیکن اتمامِ حجت کے لئے اگر ایک پُرامن راستہ اس وقت سامنے آیا ہے تو پوری قوت کو مجتمع کر کے قومی اسمبلی اور سینٹ' وزیرِ اعظم اور صدر مملکت کے اوپر پورا دباؤ ڈال دینا چاہئے کہ مالیاتی قوانین کو وفاقی شریعت کورٹ کے دائرہ کار سے باہر رکھنے کی مدت جو ختم ہو رہی ہے' اب اس کی توسیع نہیں ہونی چاہئے۔ یہ ہے درحقیقت اس وقت سب سے بڑا کرنے کا کام۔ اگر ہم نے اپنی قوتوں کو اور چیزوں کی طرف منتشر کر دیا تو یہ درحقیقت حالات کو سمجھ نہ سکنے کی بات ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان کو حل کرنے کی توفیق دے تو جاگیرداری میں بڑے اہم مسائل ہیں۔ جیسے کہ میں نے اخبارات میں بعض اشتہارات شائع کرائے ہیں' آپ نے نوٹ کیا ہوگا کہ یہ بات فیصلہ طلب ہے کہ پاکستان کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی۔ آیا جو معاملہ مصر' عراق و

شام کے بارے میں حضرت عمرؓ نے کیا تھا' اسی کا اطلاق اراضیٔ پاکستان پر ہوتا ہے یا نہیں۔ ظاہر بات ہے میری ایک رائے ہو سکتی ہے' آپ کی الگ ایک رائے ہو سکتی ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن مدنی تشریف فرما ہیں' ان کی ایک رائے ہو سکتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ آپ کے دستور میں جو شریعت کورٹ ہے' اسی میں کیوں نہ آئیے۔ ہو سکتا ہے سارے دلدّر اسی سے دور ہو جائیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ سارے منحوس قسم کے ٹیکس جو اس ملک میں لگے ہوئے ہیں' انکم ٹیکس' سیلز ٹیکس اور ایکسائز ڈیوٹی وغیرہ سب کے سب ختم ہو جائیں اگر زمینوں کا خراج براہ راست بیت المال میں جمع ہو جائے۔ یہ ٹیکس وہ ہیں جنہوں نے ہر شہری کو جھوٹا اور بے ایمان بنا کر رکھ دیا ہے۔ کتنا ہی نیک ہو' نمازی ہو' تہجد گزار ہو' اس کا ضمیر آلودہ ہو جاتا ہے کہ جھوٹ بول رہا ہے' جھوٹ پر حلف اٹھا رہا ہے اس لئے کہ صحیح حساب کتاب دینے کے بعد گویا یہ طے ہو جاتا ہے کہ آپ اپنی بساط لپیٹئے' دکان بڑھائیے۔

اس صورت حال میں یہ مرحلہ بہت اہم ہے۔ پھر یہ کہ فرض کیجئے کہ عشری زمینیں ہیں ذاتی ملکیت میں ہیں تب بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ بٹائی جائز ہے کہ ناجائز۔ کم سے کم یہ بات تو سب مانیں گے کہ یہ مزارعت' یہ بٹائی مختلف فیہ ہے' متفق علیہ نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حرام مطلق' امام مالکؒ کے نزدیک حرام مطلق۔ ظاہر بات ہے کہ یہ باتیں ایسے ہی تو نہیں۔ اب طے کرنے کی ضرورت ہے' فیصلہ ہونا چاہئے۔ سود کا استیصال اور جوئے سٹے کا فوری خاتمہ آپ کے معاشرے میں سرمایہ داروں کے عمل دخل کو ختم کر دے گا اور اگر ان دو ایشوز کے طے ہونے سے جاگیرداری کا بھی خاتمہ ہو جائے تب ہی ملک کی گاڑی صحیح سمت میں رواں دواں ہو سکے گی ورنہ جیسے کہ ابھی معاشرے کا مرثیہ پڑھا ہے آپ کے سامنے جسٹس عامر رضا صاحب نے' ایسے ہی مرثیہ ہم بھی پڑھتے رہیں گے۔ نتیجہ اس کا کچھ نہیں نکلے گا۔

آخر میں میں یہ کہنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ میں تہِ دل سے ممنون ہوں۔ یہ نہ سمجھئے کہ مجھے اس کا اندازہ نہیں کہ جماعت اسلامی لاہور نے مجھے اپنے سیمینار میں شرکت کی دعوت دے کر کتنا بڑا کام کیا ہے۔ اللہ کرے کہ اس سے اور خیر وجود میں آئیں' بھلائی کی طرف پیش قدمی ہو' اتحاد و یک جہتی میں اضافہ ہو تاکہ ہم اپنے اصل متفق علیہ نصب العین کی طرف زیادہ قوت کے ساتھ پیش قدمی کر سکیں۔

اقول قولی ھٰذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین۔

HOUSE OF QUALITY BEARINGS

KHALID TRADERS

IMPORTER, INDENTOR, STOCKIST, SUPPLIER,
OF ALL KINDS OF BALL, ROLLER & TAPER BEARINGS

WE HAVE :
- -BEARINGS FOR ALL INDUSTRIES & MARINE ENGINES.
- - AUTOMOTIVE BEARINGS FOR CARS & TRUCKS.
- - BEARINGS UNIT FOR ALL INDUSTRIAL USES.
- - MINIATURE & MICRO BEARINGS FOR ELECTRICAL INSTRUMENTS.

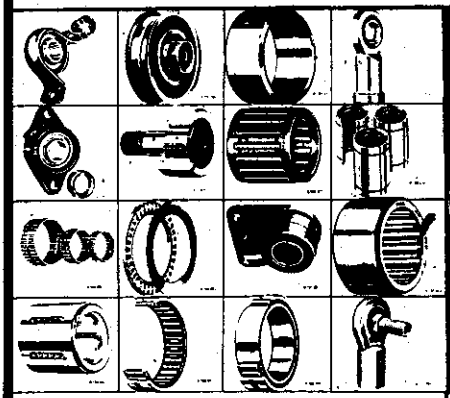

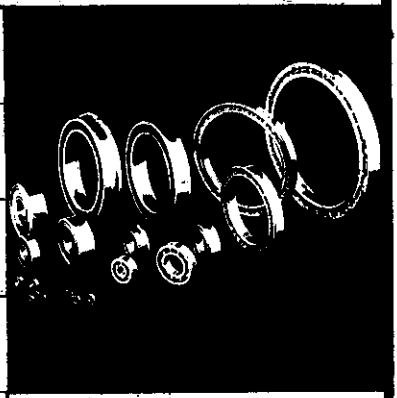

PRODUCTS

DISTRIBUTOR

RCD KBC EZO

EZO HIGH PRECISION

MINIATURE BEARINGS
EXTRA THIN TYPE BEARINGS
FLANGED BEARINGS
BORE DIA .1 mm TO 75 mm

STOCKIST

TR NACHI Koyo NSK NTN SKF

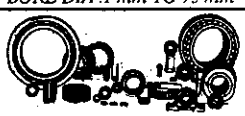

CONTACT : TEL. 732952 - 735883 - 730595
G.P.O BOX NO.1178.OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI - PAKISTAN
TELEX: 24824 TARIQPK. CABLE: DIMAND BALL.

کُرۂ ارض رُوح افزا کے حصار میں!

آئینہ دارِ ثقافت : مشروبِ مشرق و مغرب

اب تک اتنی تعداد میں بن چکا ہے کہ اس کی بوتلیں کُرۂ ارض کا احاطہ کرتی ہیں۔

ابوریحان محمد ابن احمد البیرونی نے تقریباً نو سو سال قبل جہلم کے نزدیک نندنا پہاڑ پر بیٹھ کر دنیا کا قطر ناپا تھا جو ۷۹۰۰ میل تھا۔ اس پیمائش کو بعد میں جدید سائنسی تحقیق نے درست قرار دیا۔ حکیم حافظ عبدالمجید نے دہلی میں بیٹھ کر نباتات، گل و گلاب اور فواکہات کے طبی خواص کے بموجب سنہ ۱۹۰۷ء میں رُوح افزا کا عہد ساز فارمولا مرتب کیا۔

یہ نادرِ روزگار شربت رُوح افزا اس عرصہ میں اتنی تعداد میں تیار ہو کر فروخت ہو چکا ہے کہ اس کی بوتلیں اپنی تعداد کے لحاظ سے پورے کُرۂ ارض کا احاطہ کرتی ہیں اور اب رُوح افزا مشروبِ خلائق کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔

شماریات کے مطابق صرف پاکستان میں سنہ ۱۹۴۸ء سے اب تک رُوح افزا کی اتنی بوتلیں تیار ہوئیں کہ ان سے تیار ہونے والے **دو ارب دس کروڑ اکانوے لاکھ نواسی ہزار چار سو چالیس گلاس** خلائق کی تسکین کا سامان کر چکے ہیں۔

پاکستان میں رُوح افزا کی تیاری پر اب تک استعمال ہونے والی خام اشیاء کا گوشوارہ:

- شکر
- ست لیموں

۷،۹۲،۵۲،۷۹۴ کلوگرام
سات کروڑ بانوے لاکھ باون ہزار سات سو چورانوے کلوگرام

- عرقِ رُوح افزا★
- عرقِ گلاب
- عرقِ بہار
- عرقِ کیوڑا

۱،۰۶،۵۱،۴۰۷ لیٹر
ایک کروڑ چھ لاکھ اکاون ہزار چار سو سات لیٹر

★ عرقِ رُوح افزا میں مختلف جڑی بوٹیوں، سبزیوں اور پھلوں کے عرقیات شامل ہیں۔

رُوح افزا کے لیے سنہ ۱۹۰۶ء سے ماہرینِ نباتات کاشت کر رہے ہیں۔ باغبان گل و گلاب اُگا رہے ہیں اور ہزارہا انسان فواکہات پیدا کرنے میں مصروف ہیں۔ لاکھوں ٹن گنا اُگایا جا رہا ہے۔ بے شمار انسان اور لاتعداد مشینیں شب و روز مصروفِ عمل ہیں اور نگراں ماہرینِ عرق سازی سے تیاری تک اعلیٰ معیار برقرار رکھنے پر توجہ دے رہے ہیں، تب جا کر رُوح افزا تیار ہو کر شائقین تک پہنچتا ہے۔ اسی عرق ریزی کی وجہ سے تمام دنیا رُوح افزا کی قدردان ہے اور یہ مشروبِ خلائق ہے۔

مشروبِ مشرق

رنگ، خوشبو، ذائقے، تاثیر اور معیار میں بے مثال **رُوح افزا**

مشروبِ خلائق

تحقیق، رُوح تخلیق ہے

ADARTS HRA 1/90

ضمیمہ 'نقضِ غزل'

(۱)

مؤلّفِ 'نقضِ غزل' کا استعفاء
از رکنیتِ جماعت

(تحریر کردہ اپریل ۱۹۵۷)

(۲)

جماعتِ اسلامی کی جانب سے اتّحاد کی عمومی دعوت کے جواب میں
'تعاون علی البرّ' کی پیشکش پر مشتمل

امیرِ تنظیم اسلامی، ڈاکٹر اسرار احمد کا خط
بنام
میاں طفیل محمد، سابق امیرِ جماعتِ اسلامی
اور
میاں صاحب کا جواب بنام ڈاکٹر صاحب

(شائع شدہ، 'میثاق'، جولائی ۸۲ء)

مؤلف کا جماعت اسلامی کی رکنیّت سے

استعفاء

(اپریل ۱۹۵۷ء)

ذیل کی سطور ۲۹ رمضان المبارک کو مسجد میں اعتکاف کی حالت میں لکھ رہا ہوں اور ان کے ذریعے اُس فیصلے کا اظہار مقصود ہے جس پر میں حالتِ اعتکاف میں مسلسل تین روز کے سوچ و بچار کے بعد پہنچا ہوں، یعنی یہ کہ میں جماعتِ اسلامی کی رکنیّت سے مستعفی ہو جاؤں۔

---

۱۵ نومبر ۵۴ء کو جب میں نے جماعت کی رکنیّت کے لیے درخواست تحریر کی تو جماعت کے بارے میں میرا نقطۂ نظر یہ تھا:

"میں یہ محسوس کرتا ہوں اور آج سے نہیں بلکہ آج سے چار سال قبل سے محسوس کر رہا ہوں کہ اقامتِ دین میرا فرض ہے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ میں اس دور میں پیدا ہوا جبکہ خالصتہً اقامتِ دین کے کام کے لیے جماعتِ اسلامی قائم ہو چکی ہے اور میں آسانی کے ساتھ اس میں شریک ہو کر اپنے فرض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے سعی کر سکتا ہوں۔ اس لحاظ سے میں جماعتِ اسلامی کے وجود کو اپنے لیے ایک نعمت متصور کرتا ہوں۔ اس لیے کہ اگر یہ نہ ہوتی تو خود کام کرنا بہر حال بس میں نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بازپرس کڑی ہو جاتی ..." اور

"... میں یہ سمجھتا ہوں کہ پوری دنیا میں خالص تحریکِ اسلامی تو محض جماعتِ اسلامی ہے (پاکستان کی بھی اور ہندوستان کی بھی)، البتہ دینی مقاصد کے لیے اور اچھے کام کرنے والے اور ادارے بھی ہیں اور جماعتیں بھی ہیں۔ پاکستان میں بھی اور باقی دنیا میں بھی۔ ان اداروں یا

جماعتوں نے مجھے اس حد تک تو متاثر کیا ہے لیکن جماعتِ اسلامی کے سوا کسی اور ادارے یا جماعت کے مقصد اور طریق کار کو میں خالصتہً اسلامی اور ٹھیٹھ دینی نہیں سمجھتا! ..."

بدقسمتی سے جماعت کے بارے میں میرا یہ نقطۂ نظر زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا۔ فروری ۵۵ء میں میری درخواست رکنیت منظور ہوئی اور اس کے چند ہی ماہ بعد سے جماعت کے بارے میں میرے شکوک و شبہات بڑھنے شروع ہو گئے تا آنکہ اجتماع سالانہ تک میں جماعتِ اسلامی پاکستان کے بارے میں کم از کم اپنے فہم کی حد تک ایک حتمی تلی رائے قائم کر چکا تھا۔ اس اجتماع کے موقع پر جماعت کے اندر بے اطمینانی اور پالیسی کے بارے میں اختلاف کا جائزہ لینے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کر دی گئی اور میں مطمئن ہو گیا کہ ایک پُرسکون ماحول اور افہام و تفہیم کے انداز میں کمیٹی کے سامنے اپنی بات رکھ سکوں گا۔ اجتماع سے واپسی کے بعد میں جائزہ کمیٹی کی آمد کے انتظار میں رہا۔ بالآخر ۲۰ ستمبر ۵۶ء کو بمقام اوکاڑہ ترمیم شدہ جائزہ کمیٹی سے گفتگو کا شرف حاصل ہوا اور اواخر اکتوبر تک میں نے اپنے خیالات کو ایک مفصل بیان کی شکل میں قلم بند کر کے مولانا عبدالرحیم اشرف صاحب کنوینر جائزہ کمیٹی کی خدمت میں پیش کر دیا۔

اپنے اس بیان میں میں نے قبل از تقسیم ہند کی جماعت اسلامی اور بعد از تقسیم کی جماعتِ اسلامی پاکستان کا تفصیل کے ساتھ موازنہ اور مقابلہ کیا اور اپنی ناقص قوتِ تحریر کی حد تک پوری طرح محنت اور کوشش کر کے اپنی یہ رائے واضح کی کہ پالیسی اور طریق کار کے اعتبار سے تقسیم سے ماقبل اور اس کے مابعد کی جماعت میں واضح تفاوت و اختلاف بلکہ تضاد پایا جاتا ہے۔ اور جبکہ قبل از تقسیم کی جماعت ایک خالص اور ٹھیٹھ اسلامی تحریک کا نقشہ پیش کرتی ہے وہاں بعد از تقسیم کی جماعت ایک ایسی قومی، سیاسی جماعت بن گئی ہے جس میں دین کا داعیہ چاہے کم یا زیادہ موجود ہو خالص اسلامی تحریک کی خصوصیات موجود نہیں ہیں۔ پھر اپنی محدود بصیرت کے مطابق میں نے اس بنیادی غلطی کی نشاندہی بھی کی کہ جس کے باعث اس تحریک کی نوعیت میں اس قدر عظیم الشان فرق آ گیا تھا۔ آخر میں میں نے لکھا تھا:

"میں نے نہ یہ کہا ہے اور نہ میں ایسا سمجھتا ہوں کہ ۴۷ء میں جب طریق کار تبدیل کیا گیا تو دانستہ

طور پر ان لازمی نتائج کو جاننے کے باوجود اور اس تبدیلی کا ادراک کرنے کے باوجود کیا گیا جو اسطرح اس پوری تحریک کی بنیادی نوعیت میں برپا ہو رہی تھی۔ لیکن یہ بہرحال میں سمجھتا ہوں اور اسی کو وضاحت کے ساتھ میں نے اس قدر طویل تحریر میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ طریق کار کی اس تبدیلی نے جماعت کو سطحی طور پر متاثر نہیں کیا بلکہ اس کو جڑوں سے لے کر شاخوں تک اور سر سے لے کر پیر تک بدل کر رکھ دیا ہے .....

میری رائے میں اصل تحریک اسلامی ۱۹۴۷ء میں حقیقتاً اور اصولاً ختم ہو گئی تھی۔ اس کے بعد جماعتِ اسلامی کی قومی جدوجہد کے ساتھ ساتھ اس اصل تحریکِ اسلامی کے کچھ اثرات ایک عرصہ تک برسرکار رہے ہیں لیکن اب وہ بھی دم توڑ چکے ہیں اور اب اس تحریک میں سے کچھ باقی ہے تو وہ ان چند پاک نفوس کے سوا اور کچھ نہیں ہے جنہیں اس اصل تحریک اسلامی کی دعوت نے کھینچا تھا اور جو ابھی تک جماعتِ اسلامی کی قومی تحریک کا دامن اسی اصل تحریکِ اسلامی کے مغالطے میں تھامے چلے آ رہے ہیں!"

اس میں صرف اس بات کا اضافہ اور کر لیجئے کہ اس قدر شدید رائے رکھنے کے باوجود اس وقت تک میں مایوس نہیں تھا بلکہ ایک طرف مجھے قوی امید تھی کہ:

"..... مجھے اب مستقبل کے بارے میں کوئی امید ہے تو وہ بھی ان پاک نفوس کے خلوص سے ہے کہ اگر آج بھی ان پر واضح ہو جائے کہ فلاں جگہ سے ہم غلط موڑ مڑ آئے ہیں اور اب غلط راستے پر چل رہے ہیں تو وہ آگے ہی بڑھنے کی دُھن میں غلط راستے ہی پر چلتے رہنے کو گوارا کرنے کی بجائے واپس مڑ کر صحیح راستہ اختیار کرنے میں پس و پیش سے کام نہ لیں گے چاہے اس طرح انہیں ایک طویل مسافت کو دوبارہ قطع کر کے سفر کو تقریباً از سر نو ہی شروع کرنا پڑے ....."

اور دوسری طرف اپنے ہی بر سرِ غلط ہونے کے امکان کے پیش نظر میں نے یہ گزارش بھی کی تھی:۔

"..... پھر اللہ گواہ ہے کہ اس بات کے کہنے میں کوئی بُری نیت محرک نہیں بنی ہے۔

اس غرض سے یہ گزارشات پیش کر رہا ہوں کہ اس طریقے سے اللہ تعالیٰ ہماری غلطی کو (اگر وہ ہے!) واضح کر دے تو فبہا، ورنہ کم از کم مجھ پر تو اپنی غلطی واضح ہو جائے گی اور میں زیادہ اطمینانِ قلب کے ساتھ تحریکِ اسلامی کے ساتھ وابستہ ہو کر عملاً کام کر سکوں گا!"

یہی وجہ ہے کہ اس بیان کے تحریر کرنے تک مجھ پر نہ بددلی چھائی اور نہ ہی قویٰ میں جمود پیدا ہوا بلکہ میں حسبِ سابق تندہی کے ساتھ جماعت کا کام کرتا رہا۔ اپنے بیان میں میں نے لکھا تھا کہ اب تک:

"جماعت اور اس کے کام کے لیے سرگرمی اور محویت میں میرے اندر کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے . . . !"

جائزہ کمیٹی کی رپورٹ پیش ہونے سے لے کر اجتماع ماچھی گوٹھ تک جماعتِ اسلامی پاکستان کے حلقوں میں جن ناخوشگوار اور کریہہ واقعات کا چکر چلا ہے ان کو محض یاد کرنے ہی سے انسان کو سخت ذہنی اذیت اور روحانی کرب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس پندرہ روزہ شوریٰ کے دوران جس میں رپورٹ پر غور ہوا شوریٰ کے فعال عناصر کا دو متقابل اور متحارب گروہوں میں تقسیم ہو جانا، بہت ردّ و قدح کے بعد اور بالآخر "خوفِ انتشار" کی بنا پر بالاکراہ کسر و انکسار کے ذریعے ایک لایعنی اور مہمل قرارداد کا پاس ہونا، پھر اس کی مختلف توجیہیں اور جماعت کے مختلف حلقوں کی طرف سے مختلف ردِّ عمل، اس کے نتیجے کے طور پر سازشوں کی برملا تہمتیں، اکابرینِ جماعت کا ایک دوسرے کے بارے میں انتہائی گری ہوئی رائیوں کا اظہار، سعید ملک کا سنسنی خیز استعفاء اور اس کا اسی انداز میں قیمِ جماعت کی طرف سے تعاقب، امیرِ جماعت کا جائزہ کمیٹی کے چاروں ارکان پر نجی گروہ بندی اور "غیر شعوری سازش" کا الزام، مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا استعفاء از رکنیتِ جماعت، امیرِ جماعت کا جذباتی انداز میں استعفاء از امارتِ جماعت، ایسے الفاظ کے ساتھ کہ جس سے کچھ لوگوں نے سمجھا کہ اب مولانا تادمِ حیات کبھی امارت کا منصب دوبارہ قبول نہ کریں گے جبکہ کچھ دوسرے لوگوں نے سمجھا کہ یہ محض ایک اظہارِ اعتماد (VOTE OF CONFIDENCE) کا مطالبہ ہے اور پھر جماعت کے اندر ایک مہم کے انداز میں امیرِ جماعت پر قراردادہائے اعتماد، دوارا کینِ مرکزی شوریٰ کی رکنیت

جماعت کا تعطل، مولانا عبدالجبار غازی صاحب کا استعفاء از رکنیت، مولانا عبدالغفار حسن صاحب کا استعفاء از مناصبِ جماعت، سلطان احمد صاحب کا استعفاء از رکنیتِ شوریٰ ——— اور اختلاف کرنے والے لوگوں کا یہ حال کہ انتہائی سخت باتیں کہہ رہے ہیں، گھناؤنے سے گھناؤنے الزامات لگائے جا رہے ہیں، صرف یہی نہیں بلکہ نیتوں پر شدید حملے ہو رہے ہیں اور حال ہی کے نہیں ماضی کے واقعات سے استشہاد ہو رہا ہے۔ لیکن جب کہا جاتا کہ شرافت کے ساتھ اس گند سے نکلیے اور جو کام ان سے بن پڑتا ہے انہیں کرنے دیجیے اور جو کام آپ کر سکتے ہوں آپ باہر جا کر کیجیے تو اس بات سے باصرار انکار ——— یہ سارے معاملات میرے لیے اس اعتبار سے تو غیر متوقع نہ تھے کہ میری تو رائے ہی یہ تھی اب جماعت ایک قومی سیاسی جماعت بن گئی ہے اور یہ اس کے ناگزیر ثمرات ہیں لیکن اس لحاظ سے کمر توڑ دینے والے تھے کہ جماعت میں اخلاقی تنزل اور گراوٹ کے بارے میں ابھی اتنی پست رائے میں نے کبھی قائم نہیں کی تھی! اس عرصہ میں میں اوّلاً تو جماعت میں ایک عضوِ معطّل بن کر رہ گیا اور بالآخر جنوری ۵۷ء میں میں نے شدّتِ تاثر میں جماعت کی رکنیت سے زبانی استعفاء مقامی امیر جماعت کے سامنے پیش کر دیا لیکن جب مقامی اراکین و امیر اور حلقہ کے ذمّہ دار حضرات نے سمجھایا کہ اجتماع ماچھی گوٹھ تک صبر کر لو تو میں نے بھی اس بات کو معقول پا کر اپنا استعفاء واپس لے لیا۔

اجتماع سے کچھ دن قبل اطلاعات ملنی شروع ہوئیں کہ لاہور میں مطلع صاف ہو رہا ہے، اور ایک بار پھر سمجھوتے کی کوشش ہو رہی ہے تاکہ اجتماعِ ارکان سے قبل ہی شوریٰ کی طرف سے ایک متفقہ قرارداد منظور ہو جائے اور ارکان کے سامنے اکابرین جماعت کا اختلافِ رائے پیش نہ ہو۔ اس پر میں نے دیگر پانچ ارکانِ جماعتِ اسلامی منٹگمری کی شرکت میں ایک مفصّل خط قائم مقام امیر جماعت کے توسط سے جماعت کی شوریٰ کو لکھا (وہ جماعت کے ریکارڈ میں محفوظ ہوگا اسے دیکھ لیا جائے!) جس میں شوریٰ سے یہ گزارش کی گئی تھی کہ بار بار ایسی کمزور مصالحت کی کوششیں نقصان دہ ثابت ہوں گی جس کی بنیاد کسی مثبت اور واقعی اساس کی بجائے جماعت کے اندر انتشار کے خوف کی منفی اساس پر ہو۔ اکابرین جماعت میں جو دو نقطہ ہائے نظر پالیسی اور طریقِ کار کے

بارے میں پائے جاتے ہیں انہیں صاف صاف ارکان میں آجانا چاہیے اور پھر ارکان کو شعوری طور پر یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ وہ کدھر جانا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے گروہ کے لیے صحیح یہ ہوگا کہ اگر وہ ارکان کے رجحان کے ساتھ RECONCILE کر سکیں تو فبہا، ورنہ جماعت کے اندر مزید فساد کرنے اور کش مکش برپا کرنے کی نسبت خود ان کے لیے بھی اور جماعت کے حق میں بھی بہتر یہی ہے کہ وہ جماعت سے نکل جائیں۔ خط کے آخر میں خط لکھنے والوں نے اپنے بارے میں دو صورتیں تجویز کی تھیں:

"اوّلاً یہ کہ کم از کم ہمیں اس بات کا پورا موقع دیا جائے کہ ہم اجتماع ارکان میں اپنے نقطۂ نظر کو وضاحت سے رکھ دیں اس کام کے لیے جتنا وقت ہمیں درکار ہو ہمیں دیا جائے اور ہم پر کوئی روک ٹوک نہ کی جائے کہ یہ کہا جا سکتا ہے اور یہ نہیں، تاکہ ہم پورے طور پر مطمئن ہو جائیں کہ ہم نے اپنی بات کہہ دی ہے۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ ہم "منافقت" کے ساتھ چلنے کو اپنے اوپر بھی ظلم سمجھتے ہیں، اس لیے کہ اس طرح آخرت میں اجر تو دُور رہا عذاب کا خطرہ نظر آتا ہے ـــــ اور جماعت پر بھی ظلم سمجھتے ہیں کہ ہم اس کے مجموعی ذہن سے علیٰحدہ ایک ذہن رکھتے ہیں اور پھر بھی ساتھ چلیں اور عملاً اس کا حاصل یہ ہو کہ نہ خود چلیں اور نہ دوسروں کو چلنے دیں۔

اور اگر یہ بھی قابل قبول نہ ہو تو ہمیں اجتماع سے قبل ہی مطلع کر دیا جائے۔ ہم اس کے لیے پورے انشراحِ صدر کے ساتھ تیار ہیں کہ خاموشی کے ساتھ جماعت سے علیٰحدہ ہو جائیں اور نہ اپنی منزل کھوٹی کریں اور نہ جماعت کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہوں۔ ہماری اس طرح کی علیٰحدگی اِن شاء اللہ جماعت کے لیے نقصان کا موجب نہ ہوگی بلکہ ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس طرح ہم شاید جماعت کی کوئی نہ کوئی خدمت ہی سرانجام دے سکیں گے۔"

ماچھی گوٹھ حاضر ہوا تو جس چیز کا خدشہ تھا وہی ہوا۔ کلھیا میں گڑ پھوڑا جا چکا تھا۔ ایک متفقہ قرارداد شوریٰ کی طرف سے اجتماعِ ارکان میں پیش ہونی تھی۔ اجتماع کا سارا پروگرام

ایک سوچی سمجھی سکیم کے ساتھ اس طرح بنایا جا چکا تھا کہ اوّل تو کوئی اختلافی آواز اٹھائی ہی نہ جا سکے اور اٹھے بھی تو پوری طرح مجوس ہو کر۔ مَیں یہاں منتظمینِ اجتماع کی نیتوں پر حملہ نہیں کرنا چاہتا انہوں نے جو کچھ کیا انتہائی خلوص کے ساتھ "اھونَ البلیتین" کے مشہور و معروف فلسفہ کے تحت ایک بہت بڑے شر یعنی جماعت کے انتشار سے بچنے کے لیے کیا لیکن یہ بھی بہرحال اپنی جگہ ایک واقعہ ہے کہ اجتماع کو جس طرح CONDUCT کیا گیا اس میں کسی اختلافی آواز کا اُٹھنا خصوصاً ایسی حالت میں کہ 'اکابرین' میں سے کوئی میدان میں رہا ہی نہیں تھا چند بے وقعت 'اصاغرین' باقی تھے ممکن نہ تھا! مولانا مودودی کے لیے درآں حالیکہ وہ اُس وقت امیر نہیں تھے غیر محدود وقت کی کھلی چھٹی اور اختلاف کرنے والوں کے لیے سختی سے جھگڑا کر کے محدود وقت دینا اور پھر اس پر سختی سے عمل کرانا۔ اور باوجود اس کے کہ یہ ایک غیر معمولی اور ہنگامی اجتماع تھا ابتداءً سے اس کا پروگرام معمولی اجتماعات کی طرح بنا کر بہت سا وقت قیمتی جماعت کی رپورٹ پر صرف کرا دینا خواہ خلوص کے ساتھ ہی ہوا ہو، بہرحال اختلاف کرنے والوں کے ساتھ انصاف نہ تھا۔

"تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتّٰى" کا جو منظر اس اجتماع نے پیش کیا اس میں جماعت کے لیے بڑی عبرت ہے۔ بالکل مختلف الخیال اور متضاد آراء کے حامل لوگوں کو جوڑ کر ساتھ لے کر چلنے کی کوشش یہی نتائج برپا کر سکتی ہے۔ قرارداد شوریٰ کی متفق علیہ تھی اور مبیّنہ طور پر مولانا مودودی صاحب کو شوریٰ ہی نے SPOKES MAN بنا کر اس قرارداد کی تشریح پر مامور کیا تھا لیکن مولانا کی چھ گھنٹے سے زائد تقریر کے بعد بھی مولانا امین احسن اصلاحی نے محسوس کیا کہ اس قرارداد کے کچھ "مضمرات اور مقدّرات" بیان ہونے سے رہ گئے ہیں اور پھر ان کو بیان کرنے جو کھڑے ہوئے تو ایک ایسی تقریر کر ڈالی کہ مولانا مودودی صاحب کی پوری تقریر کی تردید ہو گئی اور مجبوراً نعیم صدیقی صاحب کو اصلاحی صاحب کی تقریر کے اثرات دھونے کے لیے تقریر کرنی پڑی اور یہاں تک کہنا پڑا کہ اصلاحی صاحب امراضِ دماغی میں مبتلا ہیں۔ متعدّد معزّز اراکینِ شوریٰ کا یہ حال رہا کہ "مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ" نہ اِدھر ہوتے ہیں نہ اُدھر، ابھی قرارداد سے اتفاق ہے تو ابھی اتفاق ختم ہو گیا ہے اور اختلاف پیدا ہو گیا ہے، تا آنکہ ایک صاحب اپنا اتفاق واپس لے کر ایک متبادل قرارداد لاتے ہیں اور اس کے حق

میں ایک طویل، مدلّل اور مفصّل تقریر کرتے ہیں، لیکن آخر میں اچانک خود اپنی ہی پیش کردہ قرارداد واپس لے کر سٹیج سے اُتر آتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!

میرے لیے اس میں بھی کوئی عجیب بات نہ تھی، اس لیے کہ میں پہلے ہی اپنے خط میں لکھ چکا تھا:

"اس طرح 'حُبِّ علیؓ' کی بجائے 'بغضِ معاویہؓ' پر جو اتحاد قائم ہو، ظاہر ہے کہ اس کی بنیاد بے حد کمزور ہوگی ....!"

ذاتی طور پر میں اس اجتماع میں ایک بڑے مخمصہ میں پھنس گیا تھا۔ مولانا مودودی صاحب نے پالیسی کی جو تشریح بیان کی اس سے میرا اضطراب کم ہونے کی بجائے کچھ مزید ہی ہو گیا تھا۔ اب میرے سامنے دو راستے تھے ایک[1] یہ کہ اپنی بات بیان کرنے کی کوشش کروں۔ اس صورت میں اپنی بے بضاعتی اور عدم قدرتِ کلام مانع آتے تھے۔ میں سوچتا تھا کہ اس نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سُنے گا! ——— لہٰذا بولنے کا حشر معلوم۔ دوسرے[2] یہ کہ خاموش رہوں۔ اس شکل میں بھی دو صورتیں تھیں۔ ایک یہ کہ جماعت کے اندر رہوں۔ لیکن اس صورت میں اگر اب نہیں بولتا تو آئندہ کسی موقع پر بولنا غلط ہوگا۔ ہر شخص یہ معقول بات کہہ سکے گا کہ جہاں بولنے کا موقعہ تھا وہاں بولے نہیں، اب کیوں فساد مچاتے ہو۔ دوسری یہ کہ جماعت کو خاموشی سے چھوڑ جاؤں۔ اس صورت میں بھی جماعت کا یہ الزام اور یہ حجّت مجھ پر قائم ہو جاتی تھی کہ بغیر اختلاف کا اظہار کیے نکل جانا صحیح نہیں ہے! چنانچہ میں نے طے کیا کہ جو ہو سو ہو بہر حال اپنی بات ارکان کے سامنے رکھنے کی کوشش کروں گا!

اس خیال سے کہ اگر پہلے سے معلوم ہو جائے کہ مجھے کتنا وقت مل سکے گا تو اسی کے مطابق اپنی تقریر تیار کر سکوں، میں نے متعدد بار چودھری غلام محمّد صاحب[1] سے جو اجتماع CONDUCT کر رہے تھے پوچھا کہ مجھے آپ کس قدر وقت دے سکیں گے۔ جواب ہر بار یہی ملا کہ ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا، چنانچہ میں اپنی کوئی تقریر تیار نہ کر سکا۔ جو قرارداد میں نے مرتّب کر کے دی اس کے لیے

---

[1] اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں سے درگزر فرمائے اور انہیں جنّت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

ایک طویل تقریر ہونی چاہیے تھی لیکن کچھ معلوم نہیں تھا کہ وقت بھی مل سکے گا یا نہیں حتیٰ کہ عین وقت پر بھی تکرار ہی ہو کر رہی۔ آدھ گھنٹے کے بحث مباحثے کے بعد مجھے غالباً ڈھائی گھنٹے دیئے گئے لیکن اب میں تھا اور میرا بیان۔ تقریر کوئی تیار نہ تھی! دوسری طرف اس آدھ گھنٹے کے بحث مباحثے نے مجھے پہلے ہی بدحواس کر دیا تھا۔ میں نے اپنا بیان پڑھنا شروع کیا تو پے در پے INTERRUPTIONS کی گئیں، درشت حتیٰ کہ ناشائستہ کلمات تک کہے گئے اور میں صبر کے گھونٹ پی پی کر اپنا بیان پڑھتا رہا۔ وقت معینہ کے اندر بیان ختم بھی نہ ہو پایا اور مجھے لاچار بیان کو ادھورا ہی چھوڑ دینا پڑا۔

میرے لیے اپنا یہ انجام تو قطعاً غیر متوقع نہ تھا، لیکن جماعت کے اراکین کی ایک بہت بڑی تعداد نے اس اجتماع کے موقع پر اور خصوصاً میری تقریر کے دوران جس اخلاق کا مظاہرہ کیا اس پر ضرور دکھ ہوا۔ اکابرینِ جماعت اس پر بھی ہر چیز کے بہتر پہلو ہی پر نظر رکھنے کے اصول کے تحت یہ کہہ کر مطمئن ہو جائیں کہ یہ سب کچھ دراصل اس لیے ہوا کہ اراکینِ جماعت کو اپنا مسلک کس قدر عزیز ہے کہ وہ کسی دوسری بات کو سُن نہیں سکتے (جیسا کہ فی الواقع مولانا مودودی نے کہا بھی!) تو وہ ایسا کرنے کا اختیار رکھتے ہیں لیکن اگر عبرت حاصل کرنی ہو تو محض اس اجتماع کے موقع پر ارکان نے جس "اخلاق، ضبط اور نظم" کا ثبوت دیا ہے وہی جماعت کے تیزی سے روبہ انحطاط ہونے کی سب سے بڑی اور سب سے روشن دلیل ہے۔

یہ سب کچھ اپنی جگہ ——— لیکن اس اجتماع کا ایک پہلو میرے لیے بہت تسکین اور تسلی کا موجب بھی ہوا اور وہ یہ کہ مولانا مودودی نے اس اجتماع میں ایک بہت پختہ اور مضبوط موقف (FIRM STAND) اختیار کیا اور پوری جرأت کے ساتھ اپنی بات کہی اور کھُل کھلا اپنے آئندہ کے عزائم کا اظہار کیا۔ اس طرح اس مرتبہ قرارداد اور اس کے مفہوم میں وہ گنجلک پن اور ابہام باقی نہیں رہا جو دسمبر ۵۶ء کی شوریٰ کی قرارداد میں پایا جاتا ہے۔ مولانا نے جس مضبوطی اور ہمت کے ساتھ اپنی بات صاف صاف رکھ دی اس کے لیے میں ذاتی طور پر ان کا مشکور ہوں اس لیے کہ اس طرح میرے لیے معاملہ زیادہ صاف ہو گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس اجتماع سے قبل جماعت کو ایک خالص قومی و سیاسی جماعت کا رول ادا کرنے کے لیے ابھی بہت سی منزلیں

طے کرنی تھیں جنہیں وہ بصورتِ دیگر آہستہ آہستہ کچھ شرماتی کچھ کتراتی طے کرتی لیکن اس اجتماع میں اس نے ایک ہی زقند میں ان سب کو عبور کر لیا ہے۔

اسے میری کور چشمی اور نافہمی پر مبنی قرار دیا جائے تو بھی مجھے اعتراض نہیں ہے لیکن واقعہ بہرحال یہی ہے کہ مجھے مولانا مودودی کی طویل تقریروں میں کوئی ایسی وزنی دلیل نہ ملی جس کی بنا پر میں اپنے موقف کو تبدیل کر سکتا۔ یہاں مجھے یہ کہنے میں بھی باک نہیں ہے کہ اس کے برعکس میں نے یہ محسوس کیا کہ خود مولانا موصوف بھی اپنے موقف پر پورے طور سے مطمئن نہیں ہیں بلکہ اس غلط احساس کی بنا پر کہ "اب واپس لوٹ کر جانے کا امکان نہیں ہے لہٰذا آگے ہی بڑھنا چاہیے" اپنے موقف کے لیے دلائل لا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اجتماع میں صاف صاف اعلان کیا کہ "مولانا کی تقریر اور اس میں بیان شدہ دلائل سے میرا قطعاً اطمینان نہیں ہوا ——— البتہ میں جماعت کا رکن رہوں گا!"

جماعت کی رکنیت جاری رکھنے کا فیصلہ میں نے مندرجہ ذیل تین وجوہ سے کیا تھا:

۱:—— یہ کہ میں اس "گرم گرم" ماحول میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا تھا جس میں میں خاص طور پر ایک بہت سخت MENTAL TORTURE کی سی کیفیت میں گرفتار رہا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ ایک مرتبہ پھر ٹھنڈے ماحول میں از سرِ نو اپنے موقف کا بھی جائزہ لوں اور مولانا مودودی کے دلائل کا بھی مطالعہ کروں ——— شاید مجھے کوئی روشنی مل جائے!

۲:—— یہ کہ میں ذرا "اپنے شیطان" کا بھی جائزہ لے لینا چاہتا تھا جیسا کہ خود مولانا مودودی نے فرمایا تھا (اور صحیح فرمایا تھا) کہ ہر شخص کو اپنے شیطان سے باخبر رہنا چاہیے۔

۳:—— تیسرے یہ کہ ایک مجبوری بھی میرے سامنے تھی کہ جماعت کو چھوڑ کر کوئی اور "جائے پناہ" بھی اپنے دین اور ایمان کو بچانے کی نظر نہ آتی تھی اس وجہ سے میں چاہتا تھا کہ حتی الامکان اس جائے پناہ کو ہاتھ سے نہ کھوؤں!

اجتماع ماچھی گوٹھ کے بعد سے آج تک . . . میں مسلسل ان مسائل پر غور کرتا رہا ہوں۔ میں نے ہر معاملہ میں دونوں پہلوؤں کو نگاہ میں رکھنے کی کوشش کی ہے۔ خود اپنے

آپ سے بے حد بدظن ہو کر بھی معاملات پر غور کیا ہے۔ کتنی ہی بار میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ مجھے جماعت سے مستعفی ہو جانا چاہیے لیکن میں پھر رُک جاتا رہا۔ بالآخر میں نے فیصلہ کیا کہ رمضان کے آخری عشرہ میں سے جتنے دن بھی مجھے مل سکے ان میں اعتکاف کروں گا اور یکسوئی کے ساتھ اور اللہ سے رہنمائی کی دُعا کرتے ہوئے کوئی فیصلہ کروں گا۔

- جہاں تک میرے اصولی موقف کا تعلق ہے جتنا بھی میں نے سوچا اسی قدر اسے صحیح پایا اور جتنا غور کیا اسی قدر اس کی صحت پر میرا یقین بڑھتا چلا گیا۔ میں نے اجتماع سے قبل 'ترجمان' کے 'اشارات' اور ایک خاص مضمون" دو خطوط اور ان کا جواب" بھی دیکھے مولانا کی تقریروں کے NOTES بھی دوبارہ دیکھے۔ چودھری محمد اکبر صاحب نے جو دلائل میرے سامنے رکھے ان پر بھی غور کیا۔ مجھے ان میں کہیں روشنی نہ ملی اور جو رائے میں نے اپنے مفصل بیان میں تحریر کی ہے، میں اس میں کوئی تبدیلی نہ کر سکا۔
- جہاں تک "اپنے شیطان" کا تعلق ہے، واقعہ یہ ہے کہ مجھے پہلے بھی اس کا احساس تھا لیکن ماچھی گوٹھ میں مولانا مودودی کے اس طرف توجّہ دلانے اور پھر ایک نجی ملاقات میں جناب نعیم صدیقی صاحب کے بھی اس طرف متوجہ کرنے پر میں نے اس معاملہ میں اپنی حد تک پوری باریکی سے جائزہ لیا اور خدا گواہ ہے کہ اپنے آپ سے بدظن ہو کر سوچ بچار کیا۔

۱: میں نے سوچا کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ خیالات میرے دل میں کسی اور نے ڈال دیئے ہوں اور میں کسی اور کا آلہ کار بن گیا ہوں ——— تو مجھے اطمینان ہوا کہ ایسا ہرگز نہیں ہے یہ سب کچھ میری ذاتی سوچ بچار کا نتیجہ تھا۔ اپنے بیان کے تحریر کرنے تک اس معاملہ میں میری گفتگو نہ کبھی سعید ملک صاحب سے ہوئی اور نہ ہی کسی اور ایسے نمایاں شخص سے جو اختلافی ذہن رکھتا ہو۔ صرف لغاری[ا] صاحب سے گفتگو ہوئی، وہ بھی اس وقت جبکہ میں اپنی آراء بنا چکا تھا۔ ان سے مل کر مجھے اپنی بات پر انشراح صدر تو ضرور ہوا لیکن کسی نئی بات کا اضافہ نہیں ہوا۔ رہا مقامی طور پر تو یہاں یہ تو ضرور ہوا ہو گا کہ میں نے دوسروں کو تھوڑا بہت متاثر کیا ہو لیکن کسی اور سے ایسا کوئی تاثر لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ا؎ سردار محمد اجمل خان لغاری مرحوم، رحیم آباد، ضلع رحیم یار خاں

۲: پھر میں نے سوچا کہ میں کہیں کسی آزمائش سے جی چرا کر تو نہیں بھاگ رہا ہوں ـــــ تو اس سلسلے میں بھی مجھے اطمینان ہی ہوا کہ اوّل تو اس وقت جبکہ میں استعفاء دے رہا ہوں ایسی کوئی بڑی آزمائش درپیش ہی نہیں ہے۔ پھر جو چھوٹے موٹے امتحانات اس راہ میں پیش آئے ہیں ان کے مواقع پر اللہ کا فضل ہی شاملِ حال رہا ہے اور کبھی بددلی نزدیک نہیں آسکی ہے۔ زمانہ طالب علمی کا اختتام اور عملی زندگی کی ابتداء ایک نوجوان شخص کے لیے کئی ایک چھوٹی بڑی آزمائشیں لے کر آتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس موقع پر میں نے اپنے قدموں میں کوئی کمزوری محسوس نہ کی اور پورے ثبات کے ساتھ جمعیت کی رکنیت سے جماعت کی رکنیت کی طرف منتقل ہوگیا۔ اجتماع ماچھی گوٹھ کا MENTAL TORTURE بھی میرے لیے ایک امتحان تھا لیکن اللہ تعالےٰ کا فضل ہے کہ اس موقع پر بھی محض جذبات میں میں نے کوئی اقدام نہیں کیا اور اس کے بعد بھی سوا دو ماہ تک مسلسل سوچ بچار کرتا رہا ہوں۔

۳: پھر میں نے اس اعتبار سے اپنا جائزہ لیا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ (مولانا مودودی کے الفاظ میں) پہلے ضعفِ ارادہ پیدا ہوا ہو اور پھر اُس نے یہ مرکب شکل اختیار کر لی ہو تو مجھے اطمینان ہوا کہ کم از کم میرے معاملہ میں تو یہ صورتِ حال بھی ہرگز موجود نہیں ہے۔ میں اپنے بیان کی تحریر کے وقت تک جماعت کا تمام کام پوری تندہی اور سرگرمی سے کرتا رہا ہوں اور یہ صورت ہرگز نہیں ہوئی کہ پہلے اعضا اور جوڑ بند ڈھیلے پڑے ہوں اور بعد میں میں نے اپنے تعطل کی وجہ جواز کے طور پر یہ سارا فلسفہ گھڑا ہو ـــــ بلکہ مجھے کم از کم اپنے آس پاس کی حد تک تو معاملہ اس کے بالکل برعکس نظر آتا ہے۔ جو لوگ سُست پڑ گئے ہیں اور جن میں مقصد اور تحریک کے ساتھ عملی دلچسپی کم ہوگئی ہے وہ تو ایک نفسیاتی سے سہارے کے طور پر جماعت کی رکنیت کو چمٹا چمٹا کر سینے سے لگاتے ہیں اور اپنا حال دیکھ کر پھر کسی عام رکن پر بھی تنقید کی جرأت نہیں کرتے کجا کہ پوری جماعت اور اس کی قیادت پر!

۴: ایک یہ خدشہ بھی میرے سامنے پیش کیا گیا کہ شاید جماعت کی صفوں میں "ترقی درجات"

نہ ملنے کے باعث تیرے نفس نے ایک چوٹ کھائی ہوئی خودی کی مانند یہ سارا زہر اُگلا ہے!! ——— میں نے اس پر بھی غور کیا تو مجھے اپنے بارے میں اس کا بھی کوئی امکان نظر نہ آیا۔ اس لیے کہ جماعتی صفوں میں جلد ترقی کرنی ہوتی تو مجھے اس کا موقع ملا تھا جبکہ اُس وقت کے امیرِ جماعت (مولانا امین احسن صاحب) نے مجھے اپنی تعلیم سے فراغت کے بعد یہ مشورہ دیا تھا کہ میں لاہور ہی میں رہوں اور "اپنی ساری توانائیاں سیاست کے میدان میں پوری کروں"۔ لیکن میں نے اس مشورہ کو رد کر کے گمنامی میں سکونت اختیار کی! پھر سیدھی بات یہ بھی ہے کہ جماعت میں "ترقی درجات" ہاں میں ہاں ملانے اور مکھی پر مکھی مارنے سے ملتی ہے، نہ کہ اُلٹی تنقیدیں کرنے سے!!

شیطان کے ان تمام ممکنہ واروں کا میں نے جائزہ لیا تو مجھے معلوم ہوا کہ ان میں سے کوئی مجھ پر کارگر نہیں ہوا۔ میں نے اپنے ذہن کے ایک ایک کونے کو ٹٹولا ہے لیکن شیطان کی کوئی کمین گاہ تلاش نہ کر سکا۔ اب ایک آخری امکان ہے اور وہ یہ ہے کہ شیطان میرے ذہن کے ریشے ریشے میں اور میرے خون کے ایک ایک خلیے میں اس طرح سرایت کر چکا ہو کہ اس نے مجھے اس قابل ہی نہ چھوڑا ہو کہ میں اپنے دل و دماغ میں اس کا سراغ لگا سکوں ——— تو اگر ایسی کیفیت ہے تو بھی جماعت کی رکنیت کے جاری رکھنے کا تو بہر حال کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہی ہو چکا ہے تو ظاہر ہے کہ مجھ سے کوئی خیر تو بن ہی نہیں آسکتا اگر جماعت میں رہوں گا تو فتنہ انگیزی کروں گا اور فساد پھیلاؤں گا۔

● اجتماع کے بعد کے ان سوا دو ماہ میں میں نے یہ محسوس کیا کہ نہ میں جماعت کے کسی کام کا رہ گیا ہوں اور نہ جماعت سے مجھے اب کوئی دینی فائدہ پہنچ سکتا ہے، بلکہ اب میرا جماعت کے اندر رہنا خود میرے لیے بھی نقصان دہ ہے اور جماعت کے لیے بھی۔ جماعت کے اجتماعی ذہن کے خلاف ایک ذہن لے کر جماعت کے اندر رہنا اپنی حیثیت کے مطابق چھوٹے یا بڑے پیمانے پر جماعت میں کش مکش کو باقی رکھنا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ جماعت کے لیے کسی طرح مفید نہیں ہے۔ کوئی سیاسی جماعت جبکہ ابھی وہ خارجی کش مکش کے دور میں ہو اگر اندرونی طور پر بھی کش مکش میں مبتلا ہو جائے تو یہ اس کے حق میں بُرا ہی ہے، اچھا کسی طرح نہیں ہے۔ لہٰذا میرا وجود جماعت کیلئے

کسی حیثیت سے مفید نہیں ہے بلکہ مُضر ہے۔ دوسری طرف اب جماعت کی رکنیت سے میرے اندر "نفاق" کی سی کیفیت پیدا ہو رہی ہے! ایک چیز کو غلط اور ناحق سمجھتے ہوتے بھی میں مجبور ہوں کہ پبلک میں جماعت کے رکن کی حیثیت سے اس کی حمایت کروں اور یہ چیز اب میرے لیے ناممکن بنتی چلی جا رہی ہے!!

مندرجہ بالا امور پر غور و فکر کے بعد میں اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جماعت سے مستعفی ہو جاؤں، لہٰذا میرا استعفاء حاضر ہے!!

جماعت کے ساتھ میرا جذباتی اور غیر شعوری تعلق ۱۹۴۷ء سے، شعوری ہمدردی کا تعلق ۱۹۵۱ء سے (جبکہ میں نے جمعیت کی رکنیت اختیار کی) اور باقاعدہ رکنیت کا تعلق گزشتہ سوا دو سال سے ہے۔ اس دس سال کے عرصہ میں میری پوری دنیا جماعت ہی کے چھوٹے سے حلقہ میں محدود رہی ہے۔ تعلقات اور دوستیاں، محبتیں اور اُلفتیں، حتیٰ کہ رشتے داریاں تک اسی حلقہ میں محدود رہیں۔ بیٹھنا اُٹھنا بھی اسی میں رہا اور ہنسنا بولنا بھی اسی میں رہا۔ اب دفعتہً اس حلقہ سے نکلتے ہوئے دل و دماغ سخت صدمہ محسوس کر رہے ہیں۔ کتنے ہی بزرگوں سے مجھے والہانہ عقیدت ہے اور کتنے ہی ساتھیوں سے بے پناہ محبت ہے۔ جب میں سوچتا ہوں کہ آج کے بعد شاید میرے بزرگ میری عقیدت کی قدر نہ کریں اور میرے دوست میری محبت پر اعتماد نہ کریں تو دل اندر سے بیٹھ جاتا ہے۔ پھر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ جماعت کے بہت سے بزرگ مجھ سے بزرگانہ شفقت کا اور کتنے ہی ارکان و متفق مجھ سے حقیقی محبت کا تعلق رکھتے ہیں۔ جب سوچتا ہوں کہ آج اپنے اس اقدام سے میں نہ معلوم کتنوں کے جذبات کو مجروح کروں گا تو اپنے ہی آپ میں ایک ندامت کا احساس بھی ہوتا ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود اس اقدام پر مجبوراً اس لیے آمادہ ہو گیا ہوں کہ اب اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نظر نہیں آتا!

میں نے جب جماعت کی رکنیت اختیار کی تھی تو اس وقت بھی اسے کوئی بچوں کا کھیل نہ سمجھا تھا اور آج جبکہ اسے ترک کر رہا ہوں تو یہ اقدام بھی بغیر سوچ بچار کے کسی جذباتی کیفیت میں

نہیں کر رہا ——— میں جائزہ کمیٹی سے ملاقات اور اس کے لیے اپنے مفصّل بیان کی تحریر سے بھی ایک سال قبل سے شدید ذہنی کش مکش میں مبتلا ہوں ———
——— اور اس واقعہ کو بھی آج چھ ماہ سے اُوپر کا عرصہ ہو چکا ہے جس میں میں نے جذبات سے خالی ذہن کے ساتھ، اور جذبات کی رفاقت کے ساتھ ——— دونوں ہی طرح مسلسل غور و فکر کیا ہے اور آخر میں اللہ تعالیٰ سے رہنمائی کی دُعا کرتے ہوئے ایک فیصلہ کیا ہے۔ جب اندر آیا تھا تو "رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا" کے ساتھ "رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ" کی دُعا کرتا ہوا آیا تھا اور آج جب باہر جا رہا ہوں تو اپنے اللہ سے "اَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ" کی دعا کرتا ہوا جا رہا ہوں۔

جن حالات اور کیفیات سے گزر کر میں نے جماعت کی رکنیت سے تعلق منقطع کیا ہے وہ میں نے اپنی حد تک صحیح صحیح اور صاف صاف بیان کر دیئے ہیں۔ اس کے بعد بھی کسی "نفسیاتی تجزیے" کی ضرورت ہو تو جماعت کے کئی اہلِ قلم کو ماشاء اللہ اس میں مہارت تامّہ حاصل ہی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کروں گا کہ ایسے کسی تجزیے سے کوئی فائدہ ہی اُٹھا سکوں۔

آخر میں دست بدعا ہوں: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا۔ اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ۔ آمین!

خاکسار: اسرار احمد

تحریر ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ مطابق اپریل ۱۹۵۷ء بحالت اعتکاف بعد عصر

متحدہ عرب امارات میں مقیم حضرات

زرِ تعاون کی ادائیگی و دیگر معلومات کے سلسلے میں درج ذیل پتے سے رابطہ کر سکتے ہیں۔ جناب مشتاق حسین، ص ب ۹۳۷ شارجہ
فون نمبر ۳۶۷۰۳۲

بخدمت طفیل محمد امیر (کالعدم) جماعت اسلامی پاکستان

مسئلہ خواتین اور "الہدیٰ" کے ضمن میں تائید کا شکریہ

اور دعوتِ اتحاد پر تعاون علی البر کی پیشکش!

محترمی و مکرمی میاں صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مزاج گرامی!

مسلمان معاشرے میں خواتین کے فرائض اور دائرہ کار کے بارے میں میری ایک رائے کے خلاف جو مظاہرہ کراچی کی کچھ مغرب زدہ خواتین کی جانب سے ہوا تھا اس پر آپ کا جو مومنانہ ردعمل سامنے آیا اور میرے ٹی وی پروگرام "الہدیٰ" کو جاری رکھنے کا جو پرزور مطالبہ آپ نے کیا اس پر میری جانب سے ہدیۂ تشکر قیم تنظیم اسلامی قاضی عبدالقادر صاحب نے آپ کو پہنچا دیا تھا اور اس پر آپ کا جواب بھی جناب اسلم سلیمی صاحب کی وساطت سے مجھے مل گیا تھا۔ یعنی یہ کہ آپ نے جو کچھ کیا نصح دینی کے جذبے کے تحت اور اپنا فرض سمجھ کر کیا جس پر کسی شکریے کی آپ کو ضرورت نہیں ہے۔ میرے نزدیک یہ بھی آپ کے خلوص و اخلاص ہی کا مظہر ہے! (حال ہی میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرے ایک بزرگ رفیق کار شیخ جمیل الرحمٰن صاحب نے بھی آپ کو شکریے کا خط لکھا تھا اور ان کے نام جوابی خط میں بھی آپ نے ان ہی جذبات کا اظہار فرمایا ہے۔

اس وقت ملک میں خواتین کو مردوں کے "شانہ بشانہ" لانے کا جو عمل اسلامی حدود و تعزیرات کے نفاذ اور ملکی قوانین خصوصاً عدالتی نظام کو "اسلامیانے" کے "شانہ بشانہ" جاری ہے میرے خیال میں اسی پر زیادہ سنجیدگی سے غور کرنے

کی ضرورت ہے بالخصوص اس تازہ خبر کا نوٹس ضرور لیا جانا چاہیئے کہ خواتین کو تمام یونین کونسلوں کی سطح پر نمائندگی ملے گی - اور اس طرح ایک اخباری اندازے کے مطابق سیاسی میدان میں فعّال خواتین کی تعداد ایک دم دس گنا ہو جائے گی -

میرے اس عریضے کی تحریر کا اصل محرّک آپ کی اُس تقریر کی اخباری رپورٹ ہے جو آپ نے پچھلے دنوں لاہور میں 'تعلیم القرآن کانفرنس' میں کی تھی جس میں اس اخباری اطلاع کے مطابق آپ نے جملہ مسلمانانِ پاکستان کو دعوت دی تھی کہ وہ اسلام اور قرآن کی اساس پر متحد ہو جائیں ـــــ اس ضمن میں میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اگر یہ اخباری اطلاع درست ہے تو آپ کے پاس اس 'اتحاد' کیلئے تفصیلی پروگرام کیا ہے؟ اور آیا اس سے مراد (کالعدم) جماعتِ اسلامی میں شمولیت کی دعوت ہے یا یہ کسی وسیع تر دینی اتحاد کی پیشکش ہے؟ اور اگر یہ وسیع تر دینی اتحاد کی دعوت ہے تو بالفرض اگر میں آپ کی اس پکار پر لبیک کہوں تو ایک طرف مجھے کیا تقاضے پورے کرنے ہوں گے اور آپ کی مجھ سے توقعات کیا ہوں گی، اور دوسری طرف اس مجوزہ "تعاون علی البرّ والتقویٰ" کے ضمن میں اشتراکِ عمل کے لئے کونسا میدان کار آپ کے سامنے ہے؟

میں چونکہ یہ سوال محض سرِ راہے' یا برسبیلِ شغل نہیں کر رہا ہوں بلکہ اس میں پوری طرح سنجیدہ ہوں لہٰذا ـــــ اس کے باوصف کہ میرا گمان ہے کہ تحریک اسلامی کے قائد ہونے کے ناطے آپ ان امور سے ناواقف نہیں ہوں گے ـــــ تاہم اپنے بارے میں چند وضاحتیں کئے دیتا ہوں :

۱ - مولانا مودودی مرحوم و مغفور کے مجموعی دینی فکر میں دین کے باطنی عنصر (یعنی وہ Esoteric Element جو عام طور پر تصوّف' کے عنوان سے جانا پہچانا جاتا ہے) کی کمی کو شدّت کے ساتھ محسوس کرنے کے باوجود دین کا جو انقلابی اور تحرّکی تصوّر انہوں نے پیش فرمایا اور خصوصاً فرائض دینی کی جو نشاندہی انہوں نے کی اُس کا میں نہ صرف یہ کہ پوری طرح قائل ہوں بلکہ اپنی بساط بھر اُس پر عامل بھی ہوں -

فللّٰہِ الحمد !!

۲ - جماعتِ اسلامی کی قبل از تقسیم ہند پالیسی کو مجموعی اعتبار سے میں آج بھی صحیح سمجھتا ہوں - البتہ جماعتِ اسلامی پاکستان کی بعد از تقسیم پالیسی کو میں صرف غلط ہی نہیں سابقہ موقف سے انحراف کا مظہر سمجھتا ہوں — اور اپنے محدود بھر کوشش اس امر کی کر رہا ہوں کہ اُس سابقہ نہج پر ایک تحریک دوبارہ اٹھے - اور اگرچہ میں خوب جانتا ہوں کہ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے اور تحریکیں روز روز نہیں اٹھا کرتیں - لیکن اپنے شعورِ فرض کے مطابق کوشش کرتے ہوئے جان جاں آفریں کے سپرد کر دینے میں، میں کامیابی کی واحد صورت مضمر دیکھتا ہوں - لہٰذا جیسے تیسے کوشش میں لگا ہوا ہوں - تاکہ اور کچھ نہیں تو اللہ تعالےٰ کے حضور "معذرت" تو پیش کر سکوں !

۳ - میں دیکھ رہا ہوں کہ ثلث صدی کی سیاسی جد و جہد کے حاصل اور دو بار کے شدید مایوس کن اور تلخ تجربوں کے بعد اب جماعت کا مجموعی رُخ سیاست سے دعوت و تبلیغ کی طرف مڑ رہا ہے - لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اگر اس تبدیلی میں انقلابی رنگ شعوری اور واضح طور پر اجاگر نہ ہوا تو یہ تبدیلی مفید نہیں بلکہ مضر ہوگی - اور اُس انقلابی رنگ کو شعوری اور واضح طور پر از سرِ نو اجاگر کرنے کے لئے ناگزیر ہے کہ سابقہ غلطی کا واضح اور برملا اعتراف و اعلان ہو — اور یہی وہ اصل شکل ہے جس کے حل کی کوئی امید نہیں، بقول اقبال مرحوم "منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں!" تاہم اس سب کے باوجود — اگر کسی وسیع تر دینی اتحاد اور اشتراکِ عمل کا کوئی واضح پروگرام آپ کے سامنے ہو تو ان شاءاللہ العزیز آپ مجھے اور میرے ساتھیوں کو اس ضمن میں "انا اول المسلمین" کی سی شان کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے پائیں گے !!

اُمید ہے کہ آپ جواب سے جلد نوازیں گے -

اگر آپ اس سلسلے میں مجھ سے کسی گفتگو یا تبادلہ خیال کی ضرورت محسوس فرمائیں تو بلا جھجک جب چاہیں طلب فرمالیں، میں بخوشی حاضر ہو جاؤں گا -

فقط والسلام

خاکسار: اسرار احمد عفی عنہ

میاں طفیل محمد صاحب کا جواب (بلا تبصرہ!)

محترمی و مکرمی ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ - گرامی نامہ ملا - یاد فرمائی کا شکریہ -
قطع نظر اس اخباری رپورٹ کے جس کا حوالہ آپ نے اپنے خط میں دیا ہے، تحریک اسلامی کے بنیادی نکات دعوت میں سے ایک نکتہ اُمّت مسلمہ کا اتحاد ہے اسی بنا پر ہم مسلمانانِ پاکستان کو بھی اتحاد و اتفاق کی دعوت دیتے ہیں اور اس کا مفہوم بالکل واضح ہے - اسلام کے بنیادی عقائد اور اصول احکام متفق علیہ ہیں اس لئے سب کو انہی کو بنیاد بنا کر کام کرنا چاہیئے اور انہی پر زور دینا چاہیئے - فروعی اختلافات کو جائز حدود کے اندر رکھنا چاہیئے اور انہیں تفرقہ اور جدال کا سبب نہیں بننا چاہیئے - اگر اس بات پر اتفاق کر لیا جائے اور اس کے مطابق عمل کیا جائے تو وہ آویزش اور کشمکش جو آج مسلمانوں کے مختلف فرقوں، گروہوں اور جماعتوں کے مابین پائی جاتی ہے وہ "تعاون علی البرّ والتقویٰ" میں بدل سکتی ہے اور اقامتِ دین کی منزل جو ہر مسلمان کا مقصود ہونا چاہیئے بہت قریب آ سکتی ہے -

جہاں تک اشتراک عمل کا تعلق ہے اس کے لئے اس بنیادی اتفاق کے بعد طریق کار اور حکمت عملی کی یکسانی بھی درکار ہے - اب آپ خود ہی غور فرما لیں کہ تحریک یا جماعت اسلامی کے بارے میں جب آپ یہ فرماتے ہیں - "وہ البتہ جماعت اسلامی پاکستان کی بعد از تقسیم پالیسی کو میں صرف غلط ہی نہیں سابقہ موقف سے انحراف کا مظہر سمجھتا ہوں -" —
تو اس کے بعد اشتراک عمل کی کیا بنیاد باقی رہ جاتی ہے - ایسی صورت میں جب تک طریق کار اور حکمت عملی پر اتفاق نہ ہو جائے دین کے مفاد کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے اپنے طریق کار اور پالیسی کے مطابق اقامتِ دین کا مثبت کام کیا جائے اور کسی دوسرے کے کام کو پبلک پلیٹ فارم پر یا پریس میں ہدف ملامت و نکتہ چینی نہ بنایا جائے۔

والسلام - خاکسار (طفیل محمد)

Jawad
Products

We are manufacturing and exporting ready made garments (of all kinds including shirts, trousers, blouses, jackets, uniforms, hospital clothing; kitchen aprons), bedlinen, cotton bags, textile piece goods etc.

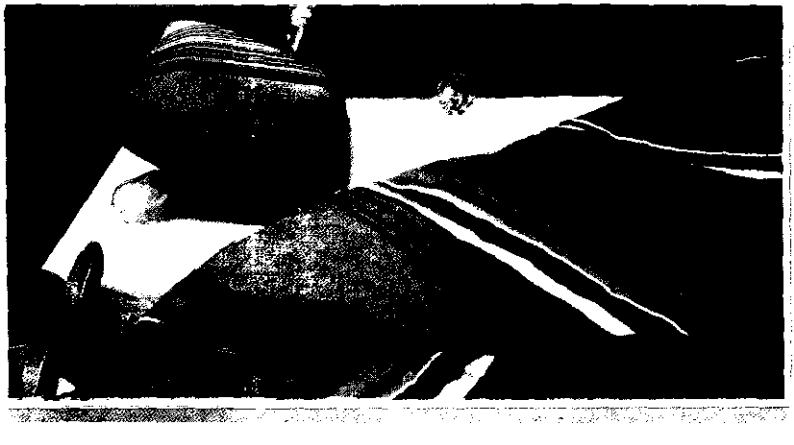

For further details write to :

M/s. Associated Industries (Garments) Pakistan (Private) Ltd.,
V/C/3-A (Commercial Area),
Nazimabad,
Karachi - 18
Tele : 610220/616018/625594

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Regd.L.No 7360
VOL. 39 NO ۶
JUNE 1990